مساجد اللہ

رحمۃ اللہ علیہ
مولانا عبد العلیم اصلاحی

مکتبۃ الاقصی



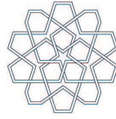


مساجد اللہ

(۲۰۰۱ء)



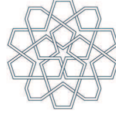
مولانا عبدالعلیم اصلاحیؒ



’’ملک کی ترقی، بھلائی اور نجات کا دار و مدار نہ بائیں بازو کی حکومت پر ہے نہ دائیں بازو کی حکومت پر ہے۔ اسی طرح نہ ہندوتوا کے برسر اقتدار آنے پر ہے اور نہ سیکولر گروپ کے گدی سنبھالنے پر ہے بلکہ سارا دار و مدار صرف اس پر ہے کہ ملک میں انسانی اور اخلاقی اقدار پروان چڑھیں اور امانت، دیانت اور عدل و انصاف کا بول بالا ہو......ظلم و زیادتی کا خاتمہ ہو......اور خدا کی زمین پر خدا کی مرضی چلے۔ اللہ کا نام لینے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو اور عبادت گاہیں محفوظ رہیں۔‘‘



فہرستِ مضامین





تمہید



ہمارے ملک ہندوستان کے ایک اہم مقام ایودھیاء، ضلع فیض آباد، اتر پردیش میں ایک مسجد ''بابری مسجد'' کے نام سے تقریباً پانچ سَو(۵۰۰) سال پہلے تعمیر کی گئی تھی، تاریخ تعمیر ۱۵۲۸ء سے ۲۲ر دسمبر ۱۹۴۹ء تک اس مسجد میں نماز باجماعت مسلمان ادا کرتے رہے۔ ۲۲ر اور ۲۳ر دسمبر ۱۹۴۹ء کی درمیانی شب میں چوری سے مسجد میں مورتیاں رکھ دی گئیں۔ اس کے بعد معاملہ پولیس میں گیا اور آخر کار عدالت کے حکم سے مسجد مقفل کر دی گئی اور وہاں ایک پجاری کو بٹھا دیا گیا اور معاملہ جوں کا توں کم وبیش ۴۶ سال تک باقی رہا، اس کے بعد یکم فروری ۱۹۸۶ء کو کچھ سیاستدانوں نے اپنی سیاسی مصلحتوں کے تحت عدالت کے حکم سے تالا کھلوادیا، اور عام ہندوؤں کے لئے پوجا پاٹ کا موقع فراہم کیا گیا۔

دوسری طرف ۱۹۴۹ء سے الہ آباد ہائی کورٹ میں مسجد کی ملکیت کی بابت مقدمہ چل رہا ہے اور آج پچاس سال میں بھی عدالت کوئی فیصلہ نہیں کر سکی۔ بلکہ الٹے عدالت کے ذریعہ ہی ہندوؤں کو یہ موقع فراہم کیا گیا کہ وہ بزور مسجد کو منہدم کر دیں اور مسجد کی جگہ مندر کا نیا عارضی ڈھانچہ تیار کر لیں۔ یہ سارا عمل دن دھاڑے ساری دنیا کی آنکھوں کے سامنے ہوا ہے۔ تیسری طرف مسجد کے رکھوالے یعنی ہندوستانی مسلمان ملک کی عدالت اور انتظامیہ پر بھروسہ کئے بیٹھے رہے۔ البتہ مسجد کے انہدام کے بعد پورے ملک میں سینکڑوں جوشیلے نوجوانوں نے اپنے غم وغصہ کا جب اظہار کیا تو پولیس نے انہیں گولیوں کا نشانہ بنایا اور ان گنت مقامات پر فرقہ وارانہ فسادات ہوئے۔ ان ہنگاموں کے دوران جو واقعات پیش آئے ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت مسلمانوں کو اس طرح مرعوب کر دینا چاہتی ہے کہ وہ آہ بھی نہ کر سکیں۔ اور حکومت اپنے اس مقصد میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہوگئی ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کا ایک طبقہ ذہنی اور فکری طور پر پسپا ہو چکا ہے جس میں مذہبی اور غیر مذہبی علماء اور جدید

دانشور سب ہی شامل ہیں۔ انتہاء یہ ہے کہ بعض لوگوں نے بتوں کو منہدم کرنے پر طالبان کو خوب خوب ملامت کی، لیکن مسجد کو گرانے والوں کو کچھ نہ کہہ سکے۔ بلکہ اُلٹے مسجد سے دستبرداری ہی کو باعث خیر ثابت کرنے پر زور لگایا۔اس بات کے ثبوت میں ہم چار باتیں کہہ سکتے ہیں:

(۱) گذشتہ پچاس سال میں فسادات کا مسئلہ ہو یا بابری مسجد میں تالا لگنے یا تالا کھلنے، شیلا نیاس ہونے یا پھر مسجد کا انہدام اور انہدام کے بعد دوبارہ مندر بننے کا ہو، یہ سب کچھ سیکولر اقتدار کے چھایہ تلے ہوا ہے۔ مگر پھر بھی اونچی سطح کے کچھ لوگ اپنے لئے آخری پناہ گاہ سیکولر اقتدار ہی کو سمجھتے ہیں۔ اس کے علاوہ انہیں ہندوستان میں زندہ رہنے کی کوئی صورت سمجھ میں نہیں آتی۔

(۲) بابری مسجد کا مسئلہ خالص دینی مسئلہ ہے۔ لیکن اس مسئلہ کو عام طور پر دینی مسئلہ قرار نہ دے کر سیکولرزم اور جمہوریت کی بقاء اور علامت کا مسئلہ قرار دیا گیا۔

(۳) مسلمانوں کی کسی قابل ذکر شخصیت اور تنظیم نے بابری مسجد کے تئیں اپنے کسی عزم کا اظہار نہیں کیا۔ زیادہ سے زیادہ جو کیا وہ بس یہ ہے کہ مسجد کی برقراری کا اقرار کیا۔

(۴) چوتھی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی جانب سے بلاضرورت یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ ہم عدالت کے فیصلے کو تسلیم کریں گے جب کہ دوسرا فریق صاف صاف کہہ رہا ہے کہ یہ مذہبی مسئلہ ہے۔ اس میں ہم عدالت کے فیصلہ کو تسلیم نہیں کریں گے۔ عدالت کے فیصلہ کو نہ ماننے کا مسلمانوں کی جانب سے کہاں سے اندیشہ ہو سکتا تھا؟ کون کہہ سکتا ہے کہ مسلمان عدالت کے کسی فیصلہ کو رد کر دینے کے موقف میں ہیں؟ خواہی نہ خواہی انہیں عدالت کا فیصلہ تو ماننا ہی ہے۔ اس کے اعلان کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔

یہ تحریر دراصل پسپائی قبول کرنے والوں کو ذہنی اور فکری پسپائی سے نکالنے کیلئے ایک کوشش کے طور پر تیار کی گئی ہے۔ یہ کوشش کہاں تک کامیاب ہے اس کا فیصلہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بضاعت مزجات کو قبول کرے اور ملّتِ اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ اور بابری مسجد کی بازیابی کا اسے ذریعہ بنائے۔ آمین

مسئلہ کی نوعیت

مسجد سے متعلق جو مسئلہ ہمارے سامنے درپیش ہے، وہ مسجد بابری کا مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ مختلف اسباب کی بناء پر اتنا اہمیت اختیار کر چکا ہے کہ ہندوستان کا کوئی لیڈر جب خطاب کرتا ہے یا کوئی مقالہ نگار یا تجزیہ نگار ملکی حالات پر قلم اٹھاتا ہے تو کسی نہ کسی نوعیت سے بابری مسجد کا ذکر ضرور کرتا ہے۔ ملکی سیاست پر اس مسئلہ کے گہرے

اثرات ہماری نظروں کے سامنے ہیں۔ جہاں ایک طرف بابری مسجد کے سلسلہ میں اپنے خاص طرزِ عمل کی بناء پر ہندوستان کی سب سے مضبوط اور سب سے قدیم پارٹی کانگریس کو اقتدار سے محروم ہونا پڑا وہیں بی جے پی اپنے خاص طرزِ عمل اور رویہ کے ذریعہ اقتدار کی کرسی پر براجمان ہوگئی۔ تیسری طرف ایک عام تأثر یہ ہے کہ ۶ رڈسمبر ۱۹۹۲ء کو واقع ہونے والے سانحہ کی بناء پر مسلم نوجوانوں میں ایک خاص قسم کی بیداری پیدا ہوئی ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ پرانی مسلم قیادت کو اس سانحہ نے مزید بے حوصلہ بنا دیا ہے۔ جیسا کہ چند سطروں پہلے اس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ ان میں سے کوئی کہتا ہے کہ اس مسئلہ کو چھیڑنے سے دعوتی مواقع تباہ ہوجائیں گے۔ کوئی بڑے ہی دانشورانہ اور علمی انداز میں بولتا ہے کہ اس مسئلہ کی وجہ سے مسلمانوں کی معاشی اور تعلیمی ترقی میں خلل ہوگا۔ کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ ہم اقلیت میں ہیں، کسی اقلیت کا اکثریت سے ٹکرانے کا مطلب ''آ بیل مجھ کو مار'' ہے اس مسئلہ میں پڑنا اپنے کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ کوئی صاحب بڑے حقیقت پسندانہ لب ولہجہ میں فرماتے ہیں کہ ایک مسجد کے جانے سے کیا فرق پڑتا ہے؟ بے شمار مسجدیں موجود ہیں اور مزید کئی نئی مسجدیں بنائی جاسکتی ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم پر دعوت دین کی اہم ذمہ داری بحیثیت خیر امت کے اللہ کی جانب سے ڈالی گئی ہے، لہٰذا ہمیں دعوتی مواقع تلاش کرتے رہنا چاہیے اور میسر مواقع کو باقی رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہر قیمت پر؟ کیا دعوتی مواقع کی بقاء کیلئے اپنے ذمہ عائد ہونے والے فرائض اور ذمہ داریوں سے صرف نظر کیا جاسکتا ہے؟......کیا نماز کو اس غرض کیلئے چھوڑ سکتے ہیں؟......اور اگر نماز کو چھوڑ نہیں سکتے تو مسجد کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟؟؟......اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی بعثت کے بعد دعوتی حکمت عملی کے تحت مشرکین مکہ کی کتنی رعایت کی؟......کیا اس سلسلہ میں دو چار مثالیں دی جاسکتی ہیں کہ آپ ﷺ نے اور آپؐ کے اصحابؓ نے ایسی ذمہ داریوں کو ادا کرنا چھوڑ دیا ہو جو شریعت کی جانب سے ان پر ڈالی گئی ہوں تاکہ دعوت کیلئے فضاء اور ماحول پرسکون رہے؟ مکی دور میں جو اذیت ناک حالات تھے ان کا آج ہم تصور بھی نہیں کرسکتے مگر ماحول کو ہم آہنگ اور پرسکون رکھنے کیلئے کوئی کوشش اس انداز کی نبیؐ کی طرف سے نہیں کی گئی کہ اللہ کی طرف سے آئی ہوئی کسی ہدایت کو پس پشت ڈال دیا گیا ہو۔ جبکہ حالات کے دباؤ اور دعوتی حکمت عملی کے تحت اس طرح کی سوچ پیدا ہوسکتی تھی۔ یا ممکن ہے بعض لوگوں کے اندر پیدا ہوئی ہو، یا پیدا ہونے کا امکان ہو۔ غالباً اسی پس منظر میں مسلمانوں کو نبی ﷺ کے توسط سے بار بار تاکید کی جاتی ہے کہ تم شک میں نہ پڑو، اپنے موقف پر قائم رہو اور استقامت کا مظاہرہ کرو۔ ظالموں کی طرف ذرا نہ جھکو۔

وَدُّوۡا لَوۡ تُدۡهِنُ فَيُدۡهِنُوۡنَ یعنی ان کی خواہش ہے کہ آپ تھوڑا نرم ہوں تو وہ بھی نرم ہو جائیں گے۔ چنانچہ ہم سب جانتے ہیں کہ مکہ میں نبی اکرم ﷺ کو ذرا نرم کرنے کیلئے مشرکین نے بار بار مختلف تجویزیں پیش کیں اس کے برخلاف کوئی ایک ایسا واقعہ نہیں ہے کہ آپ ان کے پاس کوئی تجویز لے کر گئے ہوں کہ کشمکش ختم ہو یا کم ہو جائے۔ اسی طرح ہجرت کے بعد مدینہ پہنچتے ہی سرایا بھیجنے کا سلسلہ شروع ہو گیا اور دو سال کے اندر ہی غزوۂ بدر کا واقعہ پیش آیا۔ اس طرح کی ساری سرگرمیاں بظاہر دعوتی مواقع کو برباد کرنے والی تھیں۔ سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں کیا گیا؟...... اس کا ایک ہی جواب ہے کہ یہ سرگرمیاں دراصل دین و ایمان کا تقاضہ تھیں۔ یعنی دعوت دینا تو ضرور ہے لیکن دینی فرائض اور دینی تقاضوں سے صرف نظر کر کے نہیں۔ فرائض کی عدم ادائیگی کی صورت میں ہم تقویٰ اور خشیت الٰہی کی صفت سے خالی ہو جائیں گے جو ایک داعی کی بنیادی صفت ہے۔ غرض یہ کہ دین و ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے دعوت کی ذمہ داری کو ادا کرنا ہے۔ اس لئے اصل چیز جو ہمیں سوچنے اور دیکھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ مسجد کے تئیں ہمارا فرض کیا بنتا ہے؟...... اگر مسجد کی حفاظت کے ضمن میں ہم پر کوئی فرض عائد نہیں ہوتا ہو تو کوئی حرج نہیں جو ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہیں۔ لیکن اگر فرض بنتا ہے تو اس کو پورا کرنا چاہئے بقیہ باتیں اللہ کے حوالہ ہوں گی۔ یہی وہ موقع ہے جہاں کہا جاتا ہے کہ اے نبیؐ! آپ کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے ہدایت کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے۔ ہدایت دینا اللہ کا کام ہے۔ گویا بہت ساری ذمہ داریوں میں سے ایک بڑی ذمہ داری دعوت پہنچانا ہے، اس لحاظ سے یہ بات کوئی معنی نہیں رکھتی کہ ایک فرض کو ادا کرنے کے لئے دوسرے فرض کو چھوڑ دیا جائے۔

ہم کہتے ہیں کہ مسجد کو آباد کرنا، اس کی حفاظت کرنا، اس پر سے کفار و مشرکین کے قبضہ کو ختم کرنا اور منہدم کردہ مسجد کو از سر نو تعمیر کرنے کی کوشش کرنا ہماری شرعی ذمہ داری ہے۔ اس ذمہ داری سے فرار دنیا اور آخرت دونوں جگہ اللہ کے غضب کا سبب بنے گا۔ اس لئے اس مسئلہ کو سرسری انداز سے دیکھنا صحیح نہیں ہے۔

بابری مسجد کے مسئلہ پر لڑائی جاری رکھنے کی وجہ سے معاشی اور تعلیمی نقصان ہو سکتا ہے۔ اس سے انکار نہیں۔ لیکن اس نقصان کو ہمیں برداشت کرنا چاہئے۔ اسی کا نام قربانی ہے۔ اس طرح کی قربانی دیئے بغیر نہ دنیا میں سرخروئی حاصل ہو سکتی ہے اور نہ آخرت میں۔ یہی وہ چیز ہے جسے اپنا کر ایک گروہ ہمیشہ کامران و کامیاب ہوتا رہا ہے اور اسی سے بھاگنے والے خسران اور ناکامی سے دوچار ہوتے رہے ہیں۔

اقلیت اور اکثریت کا جہاں تک مسئلہ ہے۔ اس سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن بتایئے اہل حق کب اکثریت میں رہے ہیں؟ اکثریت کے مقابلہ میں اقلیت کا کھڑا ہونا ہی تو سبب ہے بلندئ درجات کا۔

لَا يَسۡتَوِىۡ مِنۡكُمۡ مَّنۡ اَنۡفَقَ مِنۡ قَبۡلِ الۡفَتۡحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعۡظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيۡنَ اَنۡفَقُوۡا مِنۡۢ بَعۡدُ وَقٰتَلُوۡا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الۡحُسۡنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ. (الحدید:۱۰)

ترجمہ: تم میں سے کوئی ان کے برابر نہیں ہوسکتا جنہوں نے فتح سے پہلے خرچ کیا اور جنگ کیا وہ لوگ درجہ میں ان سے بڑھ کر ہیں جنہوں نے فتح کے بعد خرچ کیا اور جنگ کیا اور اللہ نے ہر ایک سے اچھائی کا وعدہ فرمایا ہے اور اللہ اس سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔

محض اقلیت میں ہونے کی بناء پر اللہ کی راہ میں جدوجہد نہ کرنے کی ذہنیت ایک بڑے مرض کی علامت ہے۔ قرآن نے بنی اسرائیل کے دو گروہوں کا تذکرہ کیا ہے جب کہ انہیں جالوت سے لڑنے کا حکم دیا گیا تھا، ایک نے کہا:

قَالُوۡا لَا طَاقَةَ لَنَا الۡيَوۡمَ بِجَالُوۡتَ وَجُنُوۡدِهٖ (البقرۃ:۲۴۹)

ترجمہ: یعنی انہوں نے کہا آج ہمارے اندر جالوت اور اس کی فوجوں سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے۔

دوسرے گروہ نے کہا:

قَالَ الَّذِيۡنَ يَظُنُّوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّلٰقُوا اللّٰهِ كَمۡ مِّنۡ فِئَةٍ قَلِيۡلَةٍ غَلَبَتۡ فِئَةً كَثِيۡرَةًۢ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ (البقرۃ:۲۴۹)

ترجمہ: یعنی جنہیں اللہ سے ملنے کا یقین تھا، انہوں نے کہا کتنے ہی چھوٹے گروہ ہیں جو بڑے گروہ پر غالب ہو گئے اللہ کے اذن سے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

یہاں جس واقعہ کی جانب ہم نے اشارہ کیا ہے اس کو اپنے سامنے رکھیے اور یہ فیصلہ کیجئے کہ ہم کس گروہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔

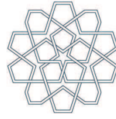
یہ بات کہ ایک مسجد کے جانے سے کیا فرق پڑتا ہے؟ اس سوال پر یہ ایک سوال اٹھتا ہے کہ کیا بات ہے کہ پوری تاریخ میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں نظر آتا جس میں کسی باوقار ملک کی فوج نے یہ کہا ہو کہ ایک چوکی کے چلے جانے سے کیا فرق پڑتا ہے چند گز زمین کا مسئلہ ہے دشمن کو لے جانے دو۔

بایں وجوہ بابری مسجد کے مسئلہ سے صرف نظر کرنا اور اس سے اپنے کو دور رکھنا اور بچانا نہ صرف یہ کہ ایک دینی ذمہ داری کو ادا کرنے سے کترانا ہے اور آخرت کا سودا کرنے کے بجائے دنیا کے حقیر مفادات کی محبت میں گرفتار ہونا ہے نیز اوپر اٹھنے کے بجائے پستی کی جانب گرنا ہے۔ بلکہ اس بات پر اپنی آمادگی اور رضا کا واضح طور

پر اعلان ہے کہ بس ہماری جان بخش دی جائے ہم نمبر دو اور تین کے شہری بن کر رہنے کے لئے تیار ہیں۔اس پہلو سے بابری مسجد کا مسئلہ ہندوستان میں ملت اسلامیہ کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ بلکہ اسی ایک مسئلہ میں سارے مسائل ضم ہو گئے ہیں۔مسلمانوں کے ان گنت مسائل اگر حل ہوں گے تو اسی مسئلہ کے حل ہونے کی صورت میں حل ہوں گے۔اگر یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا تو آئندہ بھی کوئی مسئلہ حل نہیں ہوگا جیسے کہ نصف صدی سے زیادہ عرصہ میں ایک مسئلہ بھی حل نہیں ہوا ہے بلکہ لاینحل مسائل میں دن بہ دن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔قدرت کی مہربانی ہے کہ اس نے ہمارے سارے مسائل کو ایک مسئلہ میں سمیٹ دیا ہے جیسے کسی فوج کو درجنوں محاذوں پر لڑنے کے بجائے قدرت نے ایسے حالات پیدا کر دیئے ہوں کہ وہ ایک ہی محاذ پر قوت آزمائی کرے اور اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھا کر فتح مند ہو جائے یا اپنے نکمّے پن کا ثبوت دے کر پسپا ہو جائے۔



دین میں مسجد کی اہمیت



اسلام میں مساجد کا وہی مقام ہے جو انسانی جسم میں دل کا ہے۔ دل کی حرکت سے زندگی شروع ہوتی ہے۔ اسی طرح مسجد سے ایمانی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ دل کی حرکت بند ہونے کے بعد زندگی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح بمشکل ہی کسی ایسی مسلم آبادی کا تصور کیا جا سکتا ہے جہاں مسجد نہ ہو۔

امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں آیت "اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰہِ" کے تحت لکھا ہے کہ مسجد کی آبادکاری ایمان کی دلیل ہے بلکہ لفظ "اِنَّمَا" سے اشارہ ہورہا ہے کہ ایمان صرف انہیں لوگوں میں ہوگا جن کے اندر مسجد کو آباد کرنے کی صفت پائی جائے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے مسجد بنائی۔ اس کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجرے بنائے گئے۔ کعبۃ اللہ بھی ایک مسجد ہے، اس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنا مسلمان ہونے کیلئے ضروری ہے۔ دنیا کی تمام مسجدیں اسی مرکزی مسجد کی شاخیں ہیں۔ اسی طرح دنیا کی کسی مسجد کی بے حرمتی کعبۃ اللہ کی بے حرمتی کے ہم معنی ہے اور کسی بھی مسجد کی خدمت اور آبادکاری کعبۃ اللہ کی خدمت اور آبادکاری سے ملتی جلتی چیز ہے۔ "اقامت صلوٰۃ" کا حکم ایمان باللہ کے بعد پہلا حکم ہے اور ایمان کا ایک اہم ترین تقاضا ہے۔ اس حکم کی تعمیل کے لئے مسجد ایک لازمی چیز ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَحَبُّ البلادِ الی اللّٰہ تعالی مساجدھا و ابغض البلاد الی اللّٰہ اسواقھا۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: اللہ کے نزدیک زمین پر سب سے محبوب جگہ مساجد ہیں۔ اور اللہ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ مقام بازار ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے ایک دوسری روایت ہے:

من تطھر فی بیتہ ثم مشی الی بیت من بیوت اللّٰہ لیقضی فریضۃ من فرائض اللّٰہ کانت خطواتہ احداھما تحط خطیئۃ والاخری ترفع درجۃ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: جس نے اپنے گھر میں وضو کیا، پھر کسی مسجد کی طرف چلا تا کہ کوئی فرض نماز ادا کرے تو اس کا ایک قدم اس کی خطا کو مٹا تا ہے اور دوسرا اُس کے درجہ کو بڑھاتا ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ نے بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اذا رایتم الرجل یعتاد المسجد فاشھدوا لہ بالایمان فان اللّٰہ تعالی قال انما یعمر مساجداللّٰہ من اٰمن باللّٰہ والیوم الاخر...الخ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: جب کسی آدمی کو دیکھو کہ مسجد کو آتا جاتا ہے تو اس کے ایمان کی شہادت دو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مسجدوں کو صرف وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

بشر المشائین فی الظلم الی المسجد بالنور التام یوم القیامۃ۔ (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ: خوشخبری دے دو ان کو جو اندھیرے میں مسجد کی طرف پیدل جاتے ہیں کہ انہیں قیامت کے دن نور کامل عطا ہوگا۔

بعض صحابہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ مسجدیں اللہ کے گھر ہیں اور اللہ پر یہ حق ہے کہ اللہ ان کی عزت کرے جو اللہ کے گھر میں اللہ سے ملنے کیلئے آئیں۔ (بحوالہ تفسیر کبیر)

ایک مشہور حدیث ہے:

من بنی للّٰہ مسجدا بنی اللّٰہ لہ بیتا فی الجنۃ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: جو کوئی اللہ کیلئے کوئی مسجد بنائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت میں ایک گھر بنادیں گے۔

یہ کتنی عظیم بشارت ہے اس کا اندازہ اور اس کی قدر وہی کرسکتا ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توفیق اور عنایت خاص سے حصول جنت کا شوق پیدا کردیا ہو۔ اسی بنا پر ہر دور میں مسلمانوں کے اندر مسجد بنانے اور مسجد کی خدمت کا بے پایاں ذوق وشوق پایا گیا ہے۔

مسجد اللہ کی ملکیت ہوتی ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا (الجن:۱۸)

ترجمہ: اور یہ کہ مسجدیں اللہ کی ہیں لہٰذا ان میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔

سلسلۂ بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے کہ میری طرف جن باتوں کی وحی کی گئی ان میں ایک بات یہ بھی ہے کہ مسجدیں اللہ کیلئے خاص ہوتی ہیں۔

تفسیر کبیر میں اس آیت کا مفہوم یوں بیان کیا گیا ہے: "ای فلا تدعوا مع اللّٰہ احداًفی المساجد لا نہا للّٰہ خاصة" پس اللہ کے ساتھ کسی اور کو مسجدوں میں نہ پکارو۔ اس لئے کہ مساجد اللہ کے لئے خاص ہیں۔

قرآن مجید میں کم از کم ۱۹ جگہ "مسجد" اور ۶ جگہ "مساجد" کا لفظ آیا ہے۔ ان سارے مقامات کو دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسجد اور مساجد سے مراد وہ جگہ ہے جو عبادت کیلئے مخصوص کی گئی ہو۔ اس کے باوجود بعض بزرگوں نے سات اعضاء، دونوں ہاتھ، دونوں قدم، دونوں گھٹنے اور پیشانی کو مراد لیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت کے اطلاق سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ ان اعضاء پر اللہ کے سوا کسی اور کیلئے سجدہ نہ کیا جائے۔ اسی طرح اس آیت اور حدیث۔"میرے لئے پوری زمین مسجد بنادی گئی ہے"۔ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ زمین پر اللہ کے سوا کسی اور کو نہ پکارو۔ بہرصورت مسجد اور مساجد سے مراد عبادت کے لئے مخصوص طور پر بنائی ہوئی جگہ ہے۔

آیت کے نزول کے وقت روئے زمین پر صرف دو مسجدیں تھیں۔ ایک کعبۃ اللہ مکہ معظّمہ میں اور دوسرے مسجد اقصیٰ فلسطین میں۔ اس کے باوجود جمع کا لفظ مساجد آیا ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حکم رہتی دنیا تک زمین پر تعمیر ہونے والی تمام مسجدوں کے بارے میں دیا گیا ہے۔

مشرکین مکہ خانۂ کعبہ میں اور یہود و نصاریٰ اپنی اپنی عبادتگاہوں میں اللہ کے ساتھ کئی خداؤں کی پوجا کرتے تھے، اور کئی بتوں کے سامنے سجدہ کرتے تھے، اس پس منظر میں حکم دیا گیا کہ مساجد میں صرف اللہ کو پکارو، اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو، یعنی کسی اور کی عبادت نہ کرو، اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ مساجد اللہ کے واسطے مختص ہوتی ہیں۔ اور اللہ کی ملکیت میں ہوتی ہیں۔ 'للّٰہ' میں لام ملکیت کو بتاتا ہے جیسے: "اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ" "بلاشبہ زمین اللہ کی ہے"...... 'انا للّٰہ' "ہم اللہ کے ہیں۔"

ایک اہم نکتہ

یہاں شرعی، فقہی اور قانونی لحاظ سے ایک بڑی اہم بات معلوم ہوتی ہے کہ کسی بھی مسجد کا صرف اللہ کی عبادت کیلئے مختص ہونا اور کسی مسجد کا اللہ کی ملکیت ہونا کوئی ایسی بات نہیں ہے جو اجتہاد اور استنباط کے ذریعہ معلوم ہوتی ہے بلکہ یہ حکم ہر مسجد کیلئے نص صریح سے ثابت ہے۔ یہ مسئلہ اجتہاد کے دائرے سے باہر ہے اسی بناء پر کسی فرد یا جماعت کو یہ حق حاصل نہیں ہوسکتا کہ وہ کسی مسجد کو غیر اللہ کی عبادت کیلئے دے دے یا اس کی ملکیت میں تبدیلی پیدا کردے۔ مسجد کی ملکیت کے مسئلہ کو سمجھنے کیلئے ایک واقعہ کا ذکر کرنا یہاں نامناسب نہ ہوگا۔ ہمارے معتبر واعظین بیان کرتے ہیں کہ ایک بادشاہ نے اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ تم صبح تک میری حدود سلطنت سے باہر

چلی جاؤ ورنہ تم پر طلاق ہے۔ اس کے بعد سب کو پریشانی لاحق ہوگئی کہ صبح تک حدود سلطنت سے نکل جانے کی کوئی صورت نہیں ہے اس لئے طلاق واقع ہوجائے گی۔ عام علماء اور مفتیان کے نزدیک اس کے علاوہ کہنے کی کوئی بات نہیں تھی۔ لیکن ایک بڑے فقیہ نے کہا کہ طلاق سے بچنے کی ایک صورت ہے اور یہ ہے کہ بیگم صاحبہ صبح سے پہلے کسی مسجد میں چلی جائیں مسجد اللہ کی ملکیت ہوتی ہے، کسی بھی بادشاہ کی سلطنت سے باہر ہوتی ہے۔

سب مسجدیں یکساں قابل احترام ہیں

اس آیت کا اطلاق جس طرح کعبۃ اللہ اور مسجد اقصیٰ پر ہوتا ہے اسی طرح دنیا کی ہر مسجد پر ہوگا اور جس طرح یہ دونوں مسجدیں محترم ہیں اوران پر غیر شرعی طور پر کوئی تصرف نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح دنیا کی کسی مسجد پر شرعی دلیل کے بغیر کوئی تصرف کرنے کی گنجائش نہیں نکالی جاسکتی۔ کعبۃ اللہ میں ایک نماز ایک لاکھ، اور مسجد نبوی میں ایک نماز پچاس ہزار کے برابر ہے۔ اس فرق مراتب سے قطع نظر مطلق احترام اور ملکیت کے اعتبار سے ہر مسجد برابر ہے۔ جس طرح کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی کی حفاظت، آبادکاری اور خدمت امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے اسی طرح ہر مسجد کی حفاظت، آبادکاری اور خدمت مسلمانوں کی ذمہ داری میں داخل ہے۔ زمین کے کسی کونے میں کوئی مسجد ہو اور اس کی بے حرمتی ہوتی ہے تو روئے زمین پر بسنے والا کوئی مسلمان اپنے کو قطعاً بری الذمہ قرار نہیں دے سکتا۔ مسجد تو مسجد ہے دارالاسلام کی زمین کے چھوٹے سے چھوٹے علاقہ پر اگر کفار اور مشرکین قابض ہوجائیں تو درجہ بدرجہ تمام مسلمانوں پر فرض ہوجاتا ہے کہ اس علاقہ کو کفار کے قبضہ سے نکالیں۔

تمام مساجد یکساں طور پر قابل احترام ہیں جیسے جان سب کی سب قابل احترام ہیں۔ ایک جان کو قتل کرنا سب جانوں کو قتل کرنے کے برابر ہے لیکن کسی مرد صالح اور عالم کو قتل کرنا اور بڑا جرم ہے پھر کسی نبی کو قتل کرنا اتنا بڑا جرم ہے جس کا تصور کرنا بھی محال ہے۔

أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا (المائدۃ:۳۲)

ترجمہ: جس نے کسی ایک انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا، اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کیا اور جس نے اس کو بچایا اس نے گویا تمام انسانوں کو بچایا۔

اسی طرح جس نے ایک قابل احترام مسجد کو ڈھایا، اس نے گویا تمام مساجد کو ڈھایا اور جس نے ایک مسجد کو بچایا، گویا اس نے تمام مساجد کو بچایا۔

انسانوں میں جس طرح مراتب کے لحاظ سے فرق کیا جاسکتا ہے لیکن مطلق احترام کے اعتبار سے کوئی فرق

نہیں ہے۔اسی طرح مساجد میں بھی فرق ہوسکتا ہے لیکن بلحاظ احترام بحیثیت مجموعی فرق نہیں ہے سب یکساں ہیں۔کعبۃ اللہ، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی انتہاء درجہ کا جرم اور گناہ ہے اور اس کو برداشت کرنا انتہائی درجہ کی بے غیرتی اور بے ایمانی ہے۔ایسے ہی کسی بھی مسجد کی بے حرمتی کو گوارہ کر لینا بھی نسبتاً کم درجہ کی سہی بے ایمانی اور بے غیرتی کی ہی بات ہوگی، اور ایمان سے اس کا دور کا بھی تعلق نہیں ہوسکتا۔چھوٹی سے چھوٹی مسجد کی بے حرمتی کو جیتے جی برداشت کر لینا دعویٰ ایمان سے میل کھانے والی چیز نہیں ہوسکتی چاہے اس کی مصلحت خواہ کتنے ہی معصومانہ انداز سے بیان کی جائے اور یہ بیان خواہ کتنے ہی مقدس اسٹیج اور مسند ارشاد وافتاء سے جاری ہو۔یہ اس دور کا المیہ ہے کہ کھلی ہوئی بے غیرتی اور ضعف ایمانی کو دینداری کے روپ میں پیش کیا جار ہا ہے۔

ذرا غور کیجئے! مسجد کو مسجد اور اللہ کا گھر سمجھنے اور کہنے کے باوجود اس کی بے حرمتی اور مسماری کو آنکھوں سے دیکھنے اور کانوں سے سننے کے باوجود نہ کانوں پر جوں رینگے اور نہ آنکھوں سے خون ٹپکے، نہ دل دھڑکے، نہ ہاتھ اٹھیں، نہ قدم آگے بڑھیں، نہ دل روئے، نہ ہمارے عیش وعشرت میں خلل پڑے تو کہاں ہے ہمارا ایمان؟...... اور کیسی ہے اللہ اور اس کے رسول سے ہماری محبت؟ اور کیا معنی رکھتی ہے دعوت وتبلیغ کی ہماری چیخ وپکار؟......ایسی زبان سے جس کے پیچھے محبت حق، غیرت ایمانی اور سوز دل نہ ہو۔

جان خواہ کسی کی ہو۔کسی لکڑہارے کی ہو، کسی چرواہے کی ہو اس کو قتل کرنا تمام انسانوں کے قتل کے مترادف ہے اور اس کو بچانا تمام انسانوں کو بچانے کے برابر ہے کوئی مسجد خواہ کتنی ہی چھوٹی سی ہو۔وہ محترم ہے اس کو منہدم کرنا تمام مساجد کو منہدم کردینے کے ہم معنی ہے۔اور اس کو بچانا تمام مساجد کو بچانے کے برابر ہے۔

ہمارا جرم

جن لوگوں نے ایک بابری مسجد کو ڈھایا ہے انہوں نے گویا دنیا کی تمام مسجدوں پر وار کیا ہے اور جن لوگوں نے ایک مسجد کو منہدم ہوتے ہوئے دیکھا ہے اور خاموش رہے اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے وہ بھی جرم میں شریک ہیں۔وہ جنہوں نے اللہ کے ایک گھر پر پھاؤڑا اور سبل چلا کر تمام مساجد اللہ کی حرمت کو پامال کرنے کی کوشش کی ہے ان کے جرم اور ظلم میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔لیکن کیا ہم جیسوں کا جرم بھی کچھ کم ہے؟...... جو کہتے ہیں کہ بابری مسجد تا قیامت مسجد رہے گی جبکہ اس مسجد میں پتھر کی بے جان مورتیاں پوجی جارہی ہیں اور ان مورتیوں کو ہٹانے کیلئے ذرا ہلنے اور جنبش کرنے کیلئے ہم تیار نہیں ہیں اور نہ اس کیلئے آمادہ ہیں کہ سڑک پر نکلیں اور پیروں میں گرد لگے، اور شیروانی، کرتے پائجامے پر شکن پڑے اور استری ٹوٹ جائے۔جیل جانا، پتھر کھانا، لاٹھی چارج کا سامنا کرنا تو دور کی بات ہے ساری دوڑ دھوپ کی انتہاء پوری احتیاط کے ساتھ زبان وقلم کا استعمال

ہے اور بس۔ حالانکہ زبان وقلم کا استعمال معقول لوگوں کیلئے کارآمد ہوتا ہے جن کے پاس کوئی کردار ہو، صحیح اور غلط کی جن کو تمیز ہو، جنہیں شرم وحیاء ہو۔

ظالموں سے بات کرنا مفید نہیں

لیکن جو انسانیت اور معقولیت کی ساری حدیں پار کر چکے ہوں جو اپنی طاقت اور قوت کے نشے میں چور ہوں۔ ظلم اور بے انصافی اور جور وجفا جن کا شیوہ بن چکا ہو اور جنہوں نے ملک بھر سے لاکھوں افراد کو جمع کیا اور مسجد توڑ ڈالی، لیکن جب کمیشن کے سامنے بیان دینے کا وقت آیا تو پوری بے شرمی کے ساتھ کہہ دیا کہ ہم تو مسجد بچانے کے لئے گئے تھے جو اتنا سفید جھوٹ بول سکتے ہوں ان سے کسی معقولیت کی کیا توقع رکھی جاسکتی ہے؟ جو اتنے بے شرم ہوں ان سے کسی بھی بھلی بات کو تسلیم کرنے کی اُمید کون کر سکتا ہے؟ جن کے نزدیک نہ ہی اپنے ملکی قانون کا پاس ولحاظ ہے اور نہ بین الاقوامی اخلاق اور ضابطہ کی کوئی حیثیت ہے۔ ان کے سامنے کسی کی شیریں زبان اور پر اثر مدلل تحریر کیا معنی رکھتی ہے؟

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

اور پھر:

بگڑتی ہے جس وقت ظالم کی نیت
نہیں کام آتی دلیل اور حجت

وَلَا تُجَادِلُوٓا اَهۡلَ الۡكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ اِلَّا الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡهُمۡ
(العنکبوت:۴۶)

ترجمہ: اہل کتاب سے مباحثہ نہ کرو مگر اچھے طریقہ سے، سوائے ان لوگوں سے جو ان میں ظالم ہیں۔

اس آیت میں جہاں بحث مباحثہ عمدہ طریقہ سے کرنے کی تعلیم دی گئی ہے وہیں ظالموں سے مباحثہ کرنے سے صاف طور پر منع کیا گیا ہے، اس لئے کہ مباحثہ سمجھنے سمجھانے کے لئے ہوتا ہے لیکن جو لوگ معقولیت سے عاری ہوں اور ظلم پر کمر بستہ ہو چکے ہوں وہ بات کیا سمجھیں گے؟! وہ تو معقولیت کے ساتھ بات چیت کو کمزوری و بے بسی اور مسکنت پر محمول کریں گے۔ اسلام اہل حق کو شائستگی، شرافت اور معقولیت تو ضرور سکھاتا ہے مگر عاجزی اور مسکینی نہیں سکھاتا کہ ظالم لوگ ان کو نرم چارہ سمجھ بیٹھیں۔ چنانچہ کھلے لفظوں میں مسلمانوں کو ہدایت دی ہے کہ ظالم دشمنوں کو مرعوب اور ہیبت زدہ رکھنے کے لئے ہر طرح تیاری رکھو۔

مسلمانوں کو خاص ہدایت

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ (الانفال:۶۰)

ترجمہ: اور تم جہاں تک تمہارا بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے انکے مقابلہ کیلئے مہیاء رکھوتا کہ اسکے ذریعہ سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعداء کو خوفزدہ کرو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ انہیں جانتا ہے۔

یہ مستقل جنگی تیاری رکھنے کی بات اسی لئے کہی گئی ہے کہ بہرصورت ہر زمانہ میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جو افہام وتفہیم سے صحیح بات ماننے کیلئے آمادہ نہیں ہوتے۔ اور جن کو شر انگیزی سے روکنے کیلئے طاقت کا استعمال ضروری ہوجاتا ہے ورنہ حمایت حق کا حق ادانہیں ہوسکتا۔ نیز جو گروہ ساز وسامان اور فوجی طاقت کے لحاظ سے کمزور سمجھا جاتا ہے اس پر کوئی بھی دست درازی کرنے پر تل جاتا ہے اور اس کے برخلاف اگر کوئی دبدبہ والا ہوتو اس کی جان و مال اور اس کے قابل احترام تہذیبی مظاہر اور شعائر پر ہاتھ کیا انگلی اٹھانے کی ہمت نہیں کرتا۔ اسی لئے ایک دوسرے مقام پر اہل ایمان کی بہترین صفات میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ وہ ظالموں اور جابروں کیلئے نرم نوالہ نہیں ہوتے اور ان کی شرافت کا تقاضہ یہ ضرور ہوتا ہے کہ جب وہ غالب ہوتے ہیں تو مغلوب کے قصور معاف کردیتے ہیں لیکن کوئی طاقتور اپنی طاقت وقوت کے زعم میں ان پر دست درازی کرتا ہے تو وہ عاجزی اور منت وسماجت نہیں کرتے بلکہ ڈٹ کر کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اور ان کے دانت کھٹے کردیتے ہیں۔ مومن کی شان یہ نہیں کہ وہ ظالم سے دب جائے اور متکبر کے سامنے سر جھکا دے۔

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ، وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ (الشوریٰ:۳۹)

ترجمہ: اور جو لوگ بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے دور رہتے ہیں اور انہیں غصہ آجاتا ہے تو درگزر کرجاتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کے حکم پر لبیک کہتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ان کے معاملات آپسی مشورے سے ہوتے ہیں اور جو ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جب ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ ظلم و زیادتی کرنے والوں کا مقابلہ کرنا اور ان سے بدلہ لینا دینداری اور شان بندگی کے خلاف نہیں ہے۔

دعوت اور محاذ آرائی

بعض لوگ ایسا سوچتے ہیں کہ دعوتی حکمت عملی کا تقاضہ ہے کہ ظلم اور فسطائیت کو گوارا کرلیا جائے اور مقابلہ کے لئے سامنے نہ آیا جائے۔ ورنہ مقابلہ آرائی کی صورت میں دعوت کے مواقع ختم ہوجائیں گے۔ یہ بات اس حد تک صحیح ہے کہ دنیاوی اور مادی مفادات کیلئے کشمکش اور محاذ آرائی سے گریز کرنا چاہئے لیکن جہاں تک باطل کے مقابلہ میں حق کیلئے کشمکش کرنے، شعائر اللہ کی حفاظت اور صیانت کرنے اور دین وملت کی عزت اور شوکت کو باقی رکھنے کیلئے محاذ آرائی کا سوال ہے تو وہ تو مقصود ومطلوب ہے۔ اور اس سے بچنے کو دور اوّل میں نفاق کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ معرکۂ حق وباطل میں جان ومال کی قربانی پیش کرنا اس وقت حقیقی اور سچے ایمان کی پہچان تھی۔

معلوم نہیں یہ غلط خیال کہاں سے لوگوں کے ذہنوں میں آگیا ہے کہ محاذ آرائی کے ساتھ دعوت کا کام نہیں ہوسکتا۔ حالانکہ دعوت کی پوری تاریخ کشمکش اور محاذ آرائی کی تاریخ ہے۔ حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی دعوتی سرگرمیوں کی داستان دیکھ جائیے۔ پھر نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوہ صفا والی پہلی تقریر سے لیکر فتح مکہ تک کے واقعات اپنے سامنے رکھیے۔ کتنے لمحے ہم آہنگی اور سکون کے گزرے ہیں؟ مکی دور میں جبکہ جہاد کا حکم نہیں آیا تھا۔ گھر گھر اور گلی گلی کیسی کشمکش اور کیسی منافرت کا دور دورہ تھا؟! شعب ابی طالب میں تین سال تک محرومی اور بائیکاٹ کشمکش کی ایک بڑی مثال ہے۔ ہجرت حبشہ اور آخر میں ہجرت مدینہ کی آخر کیوں نوبت آئی؟ حالانکہ اس وقت اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عام طور پر طاقت کا استعمال نہیں کررہے تھے۔ اس سوال کا ایک ہی جواب ہے کہ انبیائی دعوت حق کو اہل کفر نے ٹھنڈے پیٹوں نہ کبھی برداشت کیا ہے اور نہ آئندہ کبھی کریں گے۔ اس لئے ہم آہنگی اور ماحول کو پرسکون بنانے کے لئے کھلے ہوئے دینی اور ایمانی تقاضوں کو پس پشت ڈالنا صحیح حکمت عملی نہیں ہوسکتی۔ پھر اس سوال پر غور کیجئے کہ مدینہ میں جب حکم جہاد آیا تو پورے دس سالہ مدنی دور میں کیا دعوت متروک ہوگئی تھی؟ جبکہ کم از کم ہر چالیس دن میں کوئی نہ کوئی چھوٹی بڑی جنگی مہم میں اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور نکلے ہیں۔ اس سوال کا جواب بھی ایک ہی ہے کہ ناموس رسول، ناموس قرآن اور ناموس امت اسلامیہ کو بچانے اور کفر اور اہل کفر کو دبانے، مٹانے کی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ دعوت کا کام بھی جاری تھا۔ دور نبوی کے بعد خلفاء راشدین، تابعین اور تبع تابعین کے دور میں جنگوں اور فتوحات کے لمبے سلسلے کے ساتھ ساتھ دعوت کا عمل بھی جاری رہا ہے۔ اس لئے یہ سوچنا اور کہنا کہ دعوت حق اور حمایت حق دونوں کام ایک ساتھ نہیں ہوسکتے، ایک ایسی فاحش غلطی ہے جس پر پوری دعوت و عزیمت کی تاریخ شاہد ہے۔ ایک دوسرے پہلو سے سوچئے کہ حمایت حق کا جذبہ کسی بھی مصلحت کی خاطر کسی کے

دل سے نکل جائے تو وہ دعوت کیا دے گا؟ حقیقت یہ ہے کہ حمایت حق کے تقاضوں میں سے ایک اہم تقاضہ دعوت ہے۔ جب اصل نہیں ہوگی تو تقاضہ کا کیا سوال؟ تیسرے رخ سے مسئلہ کو دیکھئے۔ ایک مرعوب اور مغلوب ذہن کی دعوت بھی بے جان دعوت ہوگی جس کو کوئی اہمیت نہیں دی جائے گی۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے ہندوستان میں دی جانے والی دعوتوں کا آج حال دیکھ لیجئے۔

انبیاء علیہم السلام اور صلحائے امت کی کوئی مثال ایسی نہیں پیش کی جاسکتی جس سے معلوم ہو کہ داعی نے ظلم اور بربریت کے سامنے سپر ڈالدی ہو اور دعوت کو بچانے کے نام پر حمایت حق کو چھوڑ کر ظالم کے سامنے سرنگوں ہو گیا ہو۔

دل پر ہاتھ رکھ کر سوچئے اور فیصلہ کیجئے کہ ایک داعی کے نزدیک دعوت کا حاصل اور اس کی منزل کیا ہے؟۔ اس کا جواب ایک لحاظ سے سادہ لفظوں میں یہ دیا جاسکتا ہے کہ دعوت کی منزل پوری زمین کو صحیح معنی میں مسجد بنانا اور عدل وقسط سے زمین کو بھر دینا ہے تو جو داعی پوری زمین کو مسجد بنانے کی منزل تک پہنچنے کی آرزو رکھتا ہو۔ وہ ایک بنی بنائی ہوئی مسجد کو منہدم ہوتے ہوئے کیسے دیکھ سکتا ہے؟!......اور وہ جو کچھ کر سکتا ہے وہ نہ کرے اور کہے کہ میں محاذ آرائی سے دعوتی مصلحت کی خاطر بچنا چاہتا ہوں۔ اسی طرح جو شخص پوری دنیا کو کلمہ پڑھانا چاہتا ہے اس کے لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کی آنکھوں کے سامنے کلمہ پڑھنے والوں کو مرتد بنایا جارہا ہو اور وہ خاموش بیٹھا رہے اور کلمہ گو امت کو ارتداد سے بچانے کے لئے جدوجہد نہ کرے۔

پوری دنیا کو مسجد بنانے کا دعویٰ کرنے والا بنی بنائی مسجد کے تحفظ کی نہ سوچے۔ پوری دنیا کو کلمہ پڑھانے کا عزم رکھنے والا پہلے سے موجود کلمہ گو گروہ کی حفاظت نہ کرے۔ یہ کیسی تعجب انگیز بات ہوگی!۔ ایسا تو نہیں کہ اندر سے سوچ وفکر میں کوئی بیماری لگ گئی ہو دل میں تقویٰ اور خوف الٰہی کی جگہ نفاق کا سایہ پڑ رہا ہو؟!

شعائر اللہ کی تعظیم

قرآن نے کہا ہے:

وَمَنۡ يُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنۡ تَقۡوَى الۡقُلُوۡبِ (الحج:۳۲)

ترجمہ: اور جو شعائر اللہ کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کے تقویٰ میں سے ہے۔

گویا جس دل میں شعائر اللہ کی تعظیم نہ ہو وہ تقویٰ اور خوف الٰہی سے خالی ہے۔

شعائر اللہ کیا ہیں؟

شعائر جمع ہے "**شعیرۃ**" کی۔ جس کے معنی علامت کے ہیں۔ شعائر اللہ سے مراد وہ اعمال ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی علامتیں قرار دیا ہے۔ (معارف القرآن: البقرۃ:۱۵۸)

مولانا امین احسن اصلاحیؒ لکھتے ہیں :

''شعائر شعیرہ کی جمع ہے جس کے معنی کسی ایسی چیز کے ہیں جو کسی حقیقت کا احساس دلانے والی اور اس کا مظہر اور نشان ہو Symbol ہو، اصطلاح دین میں اس سے مراد شریعت کے وہ مظاہر ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے کسی معنوی حقیقت کا شعور پیدا کرنے کیلئے بطور ایک نشان اور علامت مقرر کئے گئے ہیں۔'' (تدبر قرآن، البقرۃ:۱۵۸)

مزید تشریح کیلئے دیکھئے......

''ہر وہ چیز جو کسی مسلک یا عقیدہ یا طرز فکر وعمل یا کسی نظام کی نمائندگی کرتی ہو وہ اس کا شعار کہلائے گی، کیونکہ وہ اس کیلئے علامت یا نشانی کا کام دیتی ہے۔ سرکاری جھنڈے، فوج اور پولیس وغیرہ کے یونیفارم، سکے، نوٹ اور اسٹامپ حکومتوں کے شعائر ہیں اور وہ اپنے محکوموں سے بلکہ جن جن پر ان کا زور چلے سب سے ان کے احترام کا مطالبہ کرتی ہیں۔ گرجا اور قربان گاہ اور صلیب مسیحیت کے شعائر ہیں۔ چوٹی، زنار اور مندر برہمنیت کے شعائر ہیں۔ کیس اور کڑا اور کرپان وغیرہ سکھ مذہب کے شعائر ہیں۔ ہتھوڑا اور درانتی اشتراکیت کا شعار ہیں۔ سواستیکا آریہ نسل پرستی کا شعار ہیں۔ یہ سب مسلک اپنے اپنے پیروؤں سے اپنے ان شعائر کے احترام کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی نظام کے شعائر میں سے کسی شعار کی توہین کرتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ دراصل اس نظام کیخلاف دشمنی رکھتا ہے اگر وہ توہین کرنے والا اسی نظام سے تعلق رکھتا ہے تو اس کا یہ فعل اپنے نظام سے ارتداد اور بغاوت کا ہم معنی ہے۔'' (مولانا مودودیؒ)

مسجدیں اللہ کے شعائر ہیں اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ اسی بناء پر مسجدوں کو ویران کرنے والوں کو دنیا میں ذلت ورسوائی اور آخرت میں عذاب عظیم کی وعید سنائی گئی ہے اور مسجد بنانے والے کو جنت میں اللہ گھر دے گا۔ اس کی خوش خبری رسول اللہ ﷺ کی زبانی دی گئی ہے اور قرآن میں مسجد کی آبادکاری اور تعمیر کو ایمان کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ مساجد کے احترام کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مسجد سے جو چیز متعلق ہوگی وہ محترم بن گئی مسجد میں جو سامان استعمال ہوگیا خواہ وہ لکڑی کی جنس سے ہو یا کپڑے کی جنس سے، حتیٰ کہ مسجد کے کوڑا کرکٹ کا بھی احترام کیا جاتا ہے۔ مسجد، کعبۃ اللہ کا غلاف، کعبۃ اللہ کی جانب جانے والا قربانی کا جانور، بلکہ اس کے گلے کا پٹہ بھی محترم ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ ...الخ (المائدۃ:۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! بے حرمتی نہ کرو۔ خدا تعالیٰ کی نشانیوں کی اور نہ حرمت والے مہینوں کی اور نہ حرم میں قربانی ہونے والے جانور کی اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلے میں پٹے پڑے ہوئے ہوں۔

اس آیت میں شعائر اللہ کے احترام کا عام حکم دینے کے بعد چند شعائر کا نام بھی لیا گیا ہے۔اب بتایئے مسجد جیسے شعائر اللہ کی نہ صرف حرمت پامال کی جائے بلکہ جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اس کی جگہ کو بت خانہ بنا دیا جائے اور دعویٔ ایمان کرنے والوں پر جوں بھی نہ رینگے۔ان کے ایمان کی چنگاری بھڑکے تک نہیں بلکہ دبی کی دبی رہے تو ایمان اور تقویٰ کی کھوج کہاں کی جائے اور ایسی حالت میں ایمان کی ہماری خودساختہ علامتوں کی قدر و قیمت کیا رہ جائے گی؟!

کسی بھی نظام میں شعائر کی کیا اہمیت ہوتی ہے۔موجودہ دور کی حکومتوں کو دیکھئے اپنے شعائر مثلاً اپنے جھنڈوں کا کتنا احترام کرتی ہیں۔اور اس معاملہ میں کتنی حساسیت کا ثبوت دیتی رہتی ہیں۔اگر اس میں شبہ ہو تو کسی ملک کے جھنڈے کو صرف پیروں تلے ڈال کر کوئی دیکھے۔سکھ قوم کے شعائر ٹیمپل کی بے حرمتی کرنے والوں کو غیرت مند سکھوں نے برداشت نہیں کیا اور بے حرمتی کرنے والے لوگوں کو انہوں نے کیسا مزہ چکھایا۔اگر ان کا ٹیمپل ڈھا دیا گیا ہوتا تو نہیں معلوم ہندوستان میں وہ کیا قیامت برپا کر دیتے!

مسلمانوں کی بے غیرتی

غرض شعائر کی صرف اسلام ہی میں نہیں بلکہ ہر دین و مذہب میں بڑی اہمیت ہے لیکن کچھ مسلمان اپنی بے غیرتی کو چھپانے کیلئے کہتے ہیں کہ ایک مسجد گئی تو گئی ہم کئی دوسری مسجدیں بنالیں گے۔کبھی کہتے ہیں ہم عدالت کے فیصلہ کو مانیں گے۔تعجب پر تعجب یہ ہے کہ جو لوگ موجودہ عدالتوں کو طاغوت کہتے رہتے ہیں وہ بھی یہ کہتے نہیں تھکتے کہ ہم عدالت کا فیصلہ تسلیم کریں گے۔جو مفتیان کرام نکاح وطلاق کے مسئلہ میں موجودہ عدالتوں کا فیصلہ نہیں مانتے وہ بھی مسجد کے مسئلہ میں عدالت کا فیصلہ ماننے کا اعلان کرتے ہیں۔حالانکہ یہ اعلان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔کون ہے جو ملک کی عدالت کا فیصلہ نہ مانے گا؟! ہاں عدالت کے فیصلہ کو ماننے اور نہ ماننے کا سوال ان کے بارے میں ہوسکتا تھا جو اکثریت میں ہیں اور بابری مسجد توڑ کر جنہوں نے اپنی قوت کا مظاہرہ کر دکھایا ہے اور ساتھ ہی ساتھ عدالتوں کے فیصلوں کو بھی نظر انداز کر دیا ہے بلکہ عدالتوں کو مجبور کر دیا ہے کہ ان کے فیصلہ کی تائید میں فیصلہ کریں۔بہرصورت اس پورے پس منظر میں قرآن کی آیات ذیل پر کم از کم غور تو کرنا چاہئے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ وَاَمْلٰى لَهُمْ○ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ○ (سورۂ محمد:۲۶-۲۵)

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ہدایت واضح ہونے کے بعد مرتد ہو گئے ان کیلئے شیطان نے اس روش کو آسان بنادیا اور جھوٹی توقعات کا سلسلہ ان کیلئے دراز کر دیا ہے۔ ایسا اسلئے ہے کہ انہوں نے اللہ کے نازل کردہ دین کو ناپسند کرنے والوں سے کہہ دیا کہ بعض معاملات میں ہم تمہاری مانیں گے۔ اللہ ان کی یہ خفیہ باتیں خوب جانتا ہے۔

کیا اس میں کوئی شک ہے کہ جن عدالتوں کے فیصلہ کو ہم برضا ورغبت تسلیم کرنے کا اعلان کرتے ہیں وہ "اَلَّذِیْنَ کَرِھُوْا مَآ اَنَزَّلَ اللّٰہُ" میں شامل ہیں، بدرجۂ مجبوری ماننا اور تسلیم کرنا الگ بات ہے اور بخوشی تسلیم کرنا الگ ہے۔ پہلی صورت میں ہم کو ممکن ہے معذور قرار دیا جائے لیکن دوسری صورت میں ارتداد کے دائرہ میں داخل ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا (النساء:٦٠)

ترجمہ: اے نبی! تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اس کتاب پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور ان کتابوں پر جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں مگر چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کیلئے طاغوت کی طرف رجوع کریں۔ حالانکہ انہیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ شیطان انہیں بھٹکا کر راہ راست سے بہت دور لے جانا چاہتا ہے۔

''یہاں صریح طور پر طاغوت سے مراد وہ حاکم ہے جو قانون الٰہی کے سوا کسی دوسرے قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہو اور وہ نظام عدالت ہے جو نہ تو اللہ کے اقتدار اعلیٰ کا مطیع ہو اور نہ اللہ کی کتاب کو آخری سند مانتا ہو، لہٰذا یہ آیت اس معنی میں بالکل صاف ہے کہ جو عدالت طاغوت کی حیثیت رکھتی ہو، اس کے پاس اپنے معاملات فیصلہ کیلئے لے جانا خود ایمان کے منافی ہے اور اللہ اور اس کے رسول کی کتاب پر ایمان لانے کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ آدمی ایسی عدالت کو جائز عدالت تسلیم کرنے سے انکار کر دے۔ قرآن کی رو سے اللہ پر ایمان اور طاغوت سے کفر دونوں لازم وملزوم ہیں اور اللہ اور طاغوت دونوں کے آگے بیک وقت جھکنا منافقت ہے۔''

آخر اس طرح کی قرآنی تصریحات کو کیوں نظر انداز کر دیا جا رہا ہے۔ جو بے شعور ہیں اور دینی حقائق سے بے بہرہ ہیں ان کی طرف سے اس طرح کی چوک اور کوتاہی قابل فہم ہو سکتی ہے لیکن جو صاحب علم وشعور ہیں ان کے اندر کتاب اللہ کے خلاف یہ جرأت اور دلیری قوم کی تباہی اور بربادی کو دعوت دینے والی ہے۔ اے کاش اس کا شعور ہمارے اندر پیدا ہو جائے اور اللہ کے غضب سے محفوظ ہو جائیں!

آیت وَمَنْ اَظْلَمُ

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (البقرۃ:۱۱۴)

ترجمہ: اوراس سے بڑا ظالم کون ہے جواللہ کی مسجدوں میں اللہ کے ذکر سے روکے اوران کوویران کرنے کی کوشش کرے۔ ایسے لوگوں کیلئے نہیں ہے کہ وہ ان میں داخل ہوں، مگرڈرتے ہوئے، ان کے لئے دنیا میں ذلت ہےاور آخرت میں ایک بڑا عذاب ہے۔

اس آیت پر گفتگو سے پہلے ہم حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا تفسیری نوٹ درج کرتے ہیں:

''بہرحال آیت کا شان نزول تو مفسرین کے نزدیک ان دونوں واقعوں میں سے کوئی خاص واقعہ ہے مگر اس کا بیان عام لفظوں میں ایک مستقل ضابطہ اور قانون کے الفاظ میں فرمایا گیا ہے تاکہ یہ حکم انھیں نصاریٰ یا مشرکین وغیرہ کیلئے مخصوص نہ سمجھا جائے بلکہ تمام اقوام عالم کیلئے عام رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت میں خاص بیت المقدس کا نام لینے کے بجائے ''مساجد اللہ'' فرما کر تمام مساجد پر اس حکم کو عام کردیا گیا۔ اور آیت کا مضمون یہ ہوگیا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی کسی مسجد میں لوگوں کو اللہ کا ذکر کرنے سے روکے یا کوئی ایسا کام کرے جس سے مسجد ویران ہوجائے تو وہ بہت بڑا ظالم ہے۔''

مساجد اللہ کی عظمت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ان میں جو شخص داخل ہو ہیبت وعظمت اور خشوع وخضوع کے ساتھ داخل ہو جیسے کسی شاہی دربار میں داخل ہوتے ہیں۔

اس آیت سے جو چند ضروری مسائل واحکام نکلے ان کی تفصیل یہ ہے:

اوّل یہ کہ دنیا کی تمام مساجد آداب مسجد کے لحاظ سے مساوی ہیں جیسے بیت المقدس، مسجد حرام یا مسجد نبوی کی بے حرمتی ظلم عظیم ہے اسی طرح دوسری تمام مساجد کے متعلق بھی یہی حکم ہے اگرچہ ان تینوں مساجد کی خاص بزرگی وعظمت اپنی جگہ مسلم ہے کہ مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر اور مسجد نبوی ونیز بیت المقدس میں پچاس ہزار نمازوں کے برابر ملتا ہے ان تینوں مساجد میں نماز پڑھنے کی خاطر دوردراز ملکوں سے سفر کرکے پہنچنا موجب ثواب عظیم اور باعث برکات ہے برخلاف دوسری مساجد کے کہ ان تینوں کے علاوہ کسی دوسری مسجد میں نماز پڑھنے کو افضل جان کر اس کیلئے دور سے سفر کرکے آنے کو آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ مسجد میں ذکر ونماز سے روکنے کی جتنی بھی صورتیں ہیں وہ سب ناجائز وحرام ہیں ان میں سے ایک صورت تو یہ کھلی ہوئی ہی ہے کہ کسی کو مسجد میں جانے سے یا وہاں نماز وتلاوت سے صراحۃً روکا

جائے، دوسری صورت یہ ہے کہ مسجد میں شور وشغب کر کے یا اس کے قرب و جوار میں باجے گاجے بجا کر لوگوں کی نماز وذکر وغیرہ میں خلل ڈالے یہ بھی ذکر اللہ سے روکنے میں داخل ہے۔

اسی طرح اوقات نماز میں جبکہ لوگ اپنی نوافل یا تسبیح وتلاوت وغیرہ میں مشغول ہوں۔ مسجد میں کوئی بلند آواز سے تلاوت یا ذکر بالجہر کرنے لگے تو یہ بھی نمازیوں کی نماز وتسبیح میں خلل ڈالنے اور ایک حیثیت سے ذکر اللہ کو روکنے کی صورت ہے اسی لئے حضرات فقہاء نے اس کو بھی ناجائز قرار دیا ہے۔ ہاں جب مسجد عام نمازیوں سے خالی ہو اس وقت ذکر یا تلاوت جہر کا مضائقہ نہیں۔

اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس وقت لوگ نماز وتسبیح وغیرہ میں مشغول ہوں مسجد میں اپنے لئے سوال کرنا یا کسی دینی کام کے لئے چندہ کرنا بھی ایسے وقت ممنوع ہے۔

تیسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ مسجد کی ویرانی کی جتنی بھی صورتیں ہیں سب حرام ہیں۔ اس میں جس طرح کھلے طور پر مسجد کو منہدم اور ویران کرنا داخل ہے اسی طرح ایسے اسباب پیدا کرنا بھی اس میں داخل ہے جن کی وجہ سے مسجد ویران ہو جائے اور مسجد کی ویرانی یہ ہے کہ وہاں نماز کیلئے لوگ نہ آئیں یا کم ہو جائیں۔ کیونکہ مسجد کی تعمیر وآبادی دراصل در و دیوار یا ان کے نقش ونگار سے نہیں بلکہ ان میں اللہ کا ذکر کرنے والوں سے ہے۔ اسی لئے قرآن شریف میں ایک جگہ ارشاد ہے:

اِنَّمَا يَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمۡ يَخۡشَ اِلَّا اللّٰهَ (التوبۃ:۱۸)

ترجمہ: یعنی اصل میں مسجد کی آبادی ان لوگوں سے ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں اور روز قیامت پر، اور نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں اور اللہ تعالیٰ کے سواء کسی سے نہ ڈریں۔

اسی لئے حدیث میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ قرب قیامت میں مسلمانوں کی مسجدیں بظاہر آباد اور مزین وخوب صورت ہوں گی مگر حقیقتاً ویران ہوں گی کہ ان میں حاضر ہونے والے نمازی کم ہو جائیں گے۔

حضرت علی مرتضیٰؓ کا ارشاد ہے کہ شرافت وانسانیت کے چھ کام ہیں۔ تین حضر کے اور تین سفر کے۔

حضر کے تین یہ ہیں: تلاوت قرآن کرنا، مسجدوں کو آباد کرنا، ایسے دوستوں کی جمعیت بنانا جو اللہ تعالیٰ اور دین کے کاموں میں امداد کریں۔

سفر کے تین کام یہ ہیں: اپنے توشہ سے غریب ساتھیوں پر خرچ کرنا، حسن خلق سے پیش آنا، اور رفقائے سفر کے ساتھ ہنسی خوشی تفریح وخوش طبعی کا طرز عمل رکھنا۔ بشرطیکہ یہ خوش طبعی گناہ کی حد میں داخل نہ ہو جائے۔

حضرت علیؓ کے اس ارشاد میں مسجدوں کے آباد کرنے کا مطلب یہی ہے کہ وہاں خشوع وخضوع کے ساتھ حاضر بھی ہوں اور وہاں حاضر ہو کر ذکر وتلاوت میں مشغول رہیں۔ اب اس کے مقابلہ میں مسجد کی ویرانی یہ

ہوگی کہ وہاں نمازی نہ رہیں یا کم ہو جائیں یا ایسے اسباب جمع ہوں جن سے خشوع وخضوع میں خلل آئے۔
اور اگر آیت کا شان نزول واقعہ حدیبیہ اور مشرکین مکہ کا مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکنا ہے تو اسی آیت سے یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ مساجد کی ویرانی صرف یہی نہیں کہ انہیں منہدم کر دیا جائے بلکہ مساجد جس مقصد کیلئے بنائی گئی ہیں یعنی نماز اور ذکر اللہ، جب وہ نہ رہے یا کم ہو جائے تو مساجد ویران کہلائیں گی۔'' (معارف القرآن)

آیت زیر بحث کے پہلے سے ذکر چلا آ رہا ہے یہود و نصاریٰ کے ان جرائم کا جن کی وجہ سے انہیں دنیا کی پیشوائی اور امامت وقیادت کے منصب اور درجہ سے ہٹایا گیا اور ان کی جگہ اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو امت وسط بنا کر بٹھایا گیا جن کا فریضہ یہ بتایا گیا کہ دنیا کے سامنے حق کی شہادت تمہیں دینی ہے۔

یہ اہل کتاب اپنی دنیاوی وجاہت کو باقی رکھنے کیلئے ایک دوسرے کو بے دین بتاتے تھے اور ایک دوسرے کو عبادت گاہوں سے روکتے تھے۔ یہودی نصاریٰ کی اور نصاریٰ یہودیوں کی عبادت گاہوں کو اُجاڑنے اور ویران کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت گاہوں میں اللہ کا نام لینے سے روکنا اور عبادت گاہوں کو ویران کرنا بھی ان جرائم میں سے ایک جرم ہے جس کے بعد کوئی قوم عزت کے مقام پر باقی نہیں رکھی جاتی اور اس کیلئے دنیا میں ذلت ورسوائی اور آخرت میں بڑا عذاب مقدر کر دیا جاتا ہے۔

چونکہ مشرکین ہجرت سے پہلے بھی اور ہجرت کے بعد بھی مسلمانوں کو کعبۃ اللہ سے روکتے تھے اس لئے آیت میں ایک طرف اہل کتاب کی دناءت اور شرارت کو بتایا گیا ہے اور دوسری طرف مشرکین مکہ کو بھی تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ اب تم بھی اپنے انجام بد کو پہنچنے والے ہو۔

آیت میں تین باتیں

آیت میں ''مساجد اللہ'' کا لفظ جمع استعمال ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم عام ہے لہٰذا کسی بھی مسجد میں اللہ کا نام لینے سے روکنے والے ظالم ٹھہریں گے۔ دیکھئے آیت میں تین باتیں کہی گئیں ہیں:

① ...... جو کسی بھی مسجد کو ویران کرنے کی کوشش کرے گا اور جو کوئی کسی مسجد میں اللہ کا ذکر کرنے سے منع کرے گا وہ اللہ کے نزدیک بڑا ظالم قرار پائے گا۔ قرآن کی دوسری تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان ظالموں کا بڑا برا انجام ہونے والا ہے۔

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ	اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔
لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ	ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔
لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ	ہم ظالموں کو ضرور ہلاک کریں گے۔

قرآن کی ان وعیدوں کے پیش نظر خود مسلمانوں کو بھی بہت محتاط رہنا چاہئے۔ اسلئے کہ مسلمان بھی بسا اوقات اللہ کے ذکر سے اور تلاوت قرآن اور درس قرآن سے اپنے باہمی فروعی اختلافات کی بناء پر ایک دوسرے کیلئے مسجدوں کے دروازے بند کردیتے ہیں اور انتظام کے نام پر ایسی پابندیاں لگادیتے ہیں جن کی وجہ سے اللہ کا نام لینے سے رکاوٹ ہوتی ہے۔ مساجد کی کمیٹیاں یقیناً یہ حق رکھتی ہیں کہ جن کو چاہیں روکیں اور جن کو چاہیں اجازت دیں لیکن ان کا یہ اختیار مساجد میں اللہ کا نام لینے سے منع کرنے کو جائز نہیں قرار دے سکتا۔ کمیٹیوں پر لازم ہے کہ اپنے اختیارات کا استعمال شریعت کے تابع رکھیں ورنہ ان پر بھی یہ وعیدیں لاگو ہوں گی اور وہ بھی ظالموں کے زمرہ میں شامل ہوں گی۔

مساجد کو ویران کرنے کی کوشش دو طریقے سے ہوسکتی ہے ایک یہ کہ اللہ کا ذکر کرنے والوں کو مسجد تک جانے سے روک دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ مسجد کو منہدم کردیا جائے۔ ان دونوں صورتوں کا ذکر ہمارے قدیم مفسرین نے کیا ہے اور ان دونوں صورتوں کی مثال اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ مسجد اقصیٰ پر یہودیوں کا کنٹرول ہے وہ طرح طرح کی پابندیاں مسلمانوں پر لگاتے ہیں اور ہندوستان میں بابری مسجد کو بالکل منہدم کردیا گیا ہے۔

تفسیر جلالین میں آیت کی تفسیر

تفسیر جلالین میں آیات کی تفسیر پڑھئے:

''مَنْ اَظْلَمُ'' یعنی کوئی بڑا ظالم نہیں ہے۔ ''مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ'' یعنی نماز اور تسبیح سے روکے۔ ''وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا'' یعنی منہدم کرکے، معطل کرکے۔ ''اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ'' انداز خبر دینے کا ہے لیکن منشاء حکم دینا ہے۔ یعنی ان کو جہاد کے ذریعہ خوف زدہ کروتا کہ وہ اطمینان کے ساتھ داخل نہ ہوں۔ ''لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ'' ذلت ہے قتل کی صورت میں یا قید ہونے کی صورت میں یا جزیہ دینے کی صورت میں۔''

تفسیر بیضاوی میں یہ آیت نقل کرنے کے بعد علامہ نے لکھا ہے:

① ''عام لکل من خرب مسجدا وسعی فی تعطیل مکان مرشح للصلوۃ وان نزل فی الروم'' یعنی یہ حکم عام ہے ہر اس کیلئے جس نے کسی مسجد کو ویران کیا یا نماز کیلئے تیار کی ہوئی کسی جگہ کو معطل کرنے میں کوشش کی۔ اگرچہ آیت اہل روم کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

''سَعٰى فِيْ خَرَابِهَا'' کی تفسیر ''بالھدم او التعطیل'' کے الفاظ میں کیا ہے:

② ''مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَا ...'' کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ''یعنی حق نہیں ہے کہ وہ ان میں داخل ہوں مگر اس

حال میں کہ وہ مسلمانوں سے ڈر رہے ہوں کہ مسلمان انہیں دبوچ لیں گے چہ جائے کہ الٹا وہ مسلمانوں کو روکیں۔"

اس کا کھلا مفہوم یہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ان ظالموں کو خوف و دہشت میں رکھیں۔اس بات کو مزید وضاحت کے ساتھ سمجھنے کیلئے تفسیر کبیر کے یہ الفاظ دیکھئے۔

③"وان کان لفظه لفظ الخبر لکن المراد منه النهی عن تمکینهم من الدخول" یعنی لفظ اور انداز بیان خبر دینے کا ہے لیکن مقصود منع کرنا ہے اور مسلمانوں کیلئے اس میں حکم ہے کہ تم ان ظالموں کو مسجد میں داخل نہ ہونے دو اور وہ مسجد پر قبضہ نہ کر سکیں۔"

اس حکم کو ذہن میں رکھئے اور تصور کیجئے اس صورت حال کا کہ ہمارے سامنے ایک مسجد کو نہ صرف ویران کیا گیا بلکہ اس پر قبضہ کیا گیا اور پھر اس کو بنیاد سے اکھیڑ پھینکا گیا اور پھر وہاں بت خانہ بنا کر بتوں کی پوجا ہو رہی ہے۔اور ہم ہیں کہ اس کو کوئی اہمیت نہیں دے رہے ہیں۔

اس پہلو سے دیکھا جائے تو مسجد اقصیٰ کے مقابلہ میں بابری مسجد کا معاملہ انتہائی سنگین ہے۔مسجد اقصیٰ پر تو یہود کا صرف قبضہ ہے لیکن یہاں تو مسجد کی عمارت کو نیست و نابود کر دیا گیا ہے، اور مزید آگے بڑھ کر وہاں مورتیاں رکھ کر پوجا پاٹ ہو رہی ہے اور کسی مسلمان کو اس کے قریب تک جانے نہیں دیا جا رہا ہے۔

الغرض "مَا كَانَ لَهُمْ" میں محض ایک بات کی خبر نہیں دی جا رہی ہے بلکہ ایک حکم دیا جا رہا ہے کہ دیکھو ایسا نہ ہونے دو کہ مشرکین مسجد پر قبضہ جما لیں۔

ایک قرآنی اُسلوب

اس طرز بیان کی ایک مثال دیکھئے۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ (الاحزاب:۵۳)

ترجمہ: تمہارے لئے نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف پہنچاؤ۔

اس آیت میں دراصل مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔زیر بحث آیت اور اس آیت کا طرز بیان بالکل ایک ہے۔اس روشنی میں ان لوگوں کی باتوں کا بودا پن اور کھوکھلا پن کھل کر سامنے آجاتا ہے جو لوگ مختلف انداز میں یہ تاثر پیدا کرتے ہیں کہ بابری مسجد کا تحفظ کرنا ہماری ایسی ذمہ داری نہیں ہے کہ ہم اس کیلئے مہم چلائیں اور اپنے کو جوکھم میں ڈالیں۔

تیسری بات

"لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ" دنیا میں ان کیلئے ذلت ہے اور آخرت میں ایک بڑا عذاب ہے۔سوال یہ ہے

کہ ان کے ذلیل ہونے کی کیا صورت ہوگی؟ اس سوال کا بھی جواب مفسرین کی تحریروں سے ہمیں یہ ملتا ہے کہ یہ کام مسلمانوں کے ہاتھوں ہونا ہے گویا مسلمانوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ان کی ذلت و رسوائی کا سامان کریں۔ علامہ بیضاوی کے الفاظ پڑھئے "لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ - قتل او سبی او ذلة بضرب الجزية"، یعنی قتل کرنا یا قید کرنا یا ان پر جزیہ لگا کر انہیں ذلیل کرنا۔ ظاہر ہے کہ ذلت کی یہ تینوں شکلیں اسی وقت ہوں گی جب مسلمان حرکت میں آئیں گے۔ اور مسجد کو ویران کرنے والے ظالموں کو قتل کرنے یا قید کرنے یا مغلوب کرنے کیلئے مہم چلائیں گے۔

دل پر ہاتھ رکھ کر فیصلہ کیجئے کہ بابری مسجد اور بیت المقدس کے تعلق سے اس آیت کی روشنی میں ہم مسلمانوں پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور اگر ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں تو یہ کہاں تک روا ہوسکتا ہے؟

سنہری موقع نہ کھوئیے

قرآن نے کہا جو لوگ مساجد میں اللہ کا نام لینے سے روکتے ہیں اور مساجد کو ویران کرنے کی سعی کرتے ہیں وہ بہت بڑے ظالم ہیں اور ان کیلئے دنیا میں ذلت اور رسوائی ہے اور آخرت میں عذاب عظیم ہے۔ قرآن کی اس روشنی میں پورے اعتماد کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ جو لوگ ان بڑے ظالموں کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوں گے اور ان کے منصوبوں کو ناکام بنانے کی سعی کریں گے ان کا شمار یقیناً محسنین میں ہوگا اور ان کیلئے دنیا میں عزت اور سرخروئی ہوگی اور آخرت میں وہ اجر عظیم کے مستحق ٹھہریں گے۔ "وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ" کے مقابلہ میں "وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ" کی سند ہمارے سامنے موجود ہے۔ قرآن کا یہ بیان برائے بیان نہیں ہے بلکہ اس کا کچھ مقصد ہوگا۔ عین ممکن ہے کہ قرآن کچھ باتیں کھلے طور پر اور کچھ باتیں اشارے اور کنایہ کی زبان میں کہہ کر عزت و وقار کے ساتھ ساتھ آخرت میں اجر عظیم کے طلبگاروں کی طلب اور ان کے ذوق وشوق کا امتحان لینا چاہتا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر دور میں اس طلب اور ذوق وشوق کے امتحان کے مواقع موجود ہوں۔ اسلئے کہ امتحان اور آزمائش کے مواقع اور شکلیں بدلتی رہتی ہیں۔ ہم اپنے موجودہ حالات کے تناظر میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسجد اقصیٰ اور بابری مسجد کے سانحے کی صورت میں مشیت ایزدی نے اس دور کے مسلمانوں کیلئے ایک موقع اور Chance عطا کیا ہے کہ جو حوصلہ مند لوگ ہوں وہ اپنے کو محسنین کے زمرہ میں اپنے عزم اور اقدام کے ذریعہ شامل کرسکتے ہیں۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو جس صورت حال سے ہم دوچار ہیں وہ زحمت اور مصیبت نہیں بلکہ مخلص مومنین کیلئے ایک سنہری موقع ہے۔ اس طرح کے مواقع بار بار نہیں آتے۔ اسلئے گردش دوراں اور حالات کی ناسازگاری کا شکوہ کرنے کے بجائے اس کو ایک نادر موقع سمجھ کر پیش قدمی کرنی چاہئے۔ اس مقام پر

ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا یہ زمانہ زبان حال سے آواز لگا رہا ہے کہ:

وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ (المطفّفین:۲۶)

ترجمہ: جو لوگ دوسروں پر بازی لے جانا چاہتے ہوں وہ اس چیز کو حاصل کرنے میں بازی لے جانے کی کوشش کریں۔

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ (ال عمران:۱۳۳)

ترجمہ: دوڑ کر چلو اس راہ پر جو تمہارے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جاتی ہے جس کی وسعت زمین اور آسمانوں جیسی ہے اور وہ خدا ترس لوگوں کیلئے مہیاء کی گئی ہے۔

جنت اور مغفرت کے حصول کا یہ سنہری موقع ہم کھو رہے ہیں تو کیوں؟ جان کو بچانے کیلئے، مال کو بچانے کیلئے اور اپنے اہل وعیال کو بچانے کیلئے۔ لیکن ہم اس عہد کو اور اس معاملہ کو بھول چکے ہیں جو اللہ نے ہر کلمہ گو سے لیا اور کیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (التوبۃ:۱۱۱)

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کے نفس اور انکے مال جنت کے بدلے خرید لئے ہیں۔

جس اہل وعیال کی خاطر آدمی پیش قدمی کرنے سے رُکتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے فتنہ بنایا اور اس سے آگاہ بھی کر دیا۔

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (التغابن:۱۵)

ترجمہ: تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو ایک آزمائش ہیں اور اللہ ہی ہے جس کے پاس بڑا اجر ہے۔

اپنے طرز فکر کا جائزہ لیجئے

اب آپ مساجد اللہ کے بارے میں اپنے طرز فکر وعمل اور اپنی حکمت عملیوں کا جائزہ لیجئے اور دیکھئے کہ ان کی کیا بنیاد ہے۔ من جانب اللہ ملے ہوئے چانس کو کھو کر کتنی بڑی سعادت کو ہم کھو رہے ہیں!۔ کتنے عظیم اجر و ثواب کو ہم ضائع کر رہے ہیں! اور اس کے مقابلہ میں کیا بچا رہے ہیں!؟ جو بچا رہے ہیں اور جو ضائع کر رہے ہیں دونوں کا موازنہ کیجئے اور یقین رکھئے کہ اللہ کی یہ بات سچی ہے۔

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ

(آل عمران:۱۵۷)

ترجمہ: اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ تو اللہ کی جو رحمت اور بخشش تمہارے حصہ میں آئے گی وہ ان ساری چیزوں سے زیادہ بہتر ہے جنہیں یہ لوگ جمع کرتے ہیں۔

اس یقین کے نہ ہونے کی حالت کو حدیث شریف میں "حب الدنیا و کراھیة الموت" کا نام دیا گیا ہے۔ حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک زمانہ آئے گا کہ قومیں مسلمانوں پر ایسے ٹوٹ پڑیں گی جیسے بھوکے دسترخوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ تو صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا اس زمانے میں ہماری تعداد اتنی کم ہوجائے گی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ ان کی تعداد سمندر میں بہنے والے جھاگ کی طرح ہوگی۔ مگر ان کے اندر وہن پیدا ہوجائے گا تو صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ وہن کیا چیز ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حب الدنیا و کراھیة الموت"۔

ویران مسجد کو بسانا

ایک اور پہلو سے اس مسئلہ کو دیکھئے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔

من بنی للّٰہ مسجدا بنی اللّٰہ لہ بیتا فی الجنة۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: جو کوئی اللہ کیلئے کوئی مسجد بنائے گا اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت میں ایک گھر بنادیں گے۔

یہ بشارت ہے کوئی نئی مسجد بنانے والے کیلئے۔ سوال یہ ہے کہ جو ظلماً منہدم کی ہوئی کسی مسجد کو ظالموں کی منشا کے خلاف تعمیر کرنے کی کوشش کرے گا اور ظالموں کے ظلم و جور کی پرواہ نہ کرے گا اپنی جان اور مال کو جوکھم میں ڈالے گا اس کا اجر و ثواب کیا ہوگا؟ اس سوال کا جواب معلوم کرنے کیلئے ایک دوسری حدیث پر غور کیجئے۔

من احیی سنة من سنتی قد امیتت بعدی فان لہ من الاجر مثل اجور من عمل بھا من غیر ان ینقص من اجورھم شیئا۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: جس نے میری سنتوں میں سے کسی مردہ سنت کو میرے بعد زندہ کیا اس کیلئے ان کے برابر اجر ہے جو اس پر عمل کریں گے بغیر اس کے کہ ان کا اجر کچھ کم کیا جائے۔

اسی مفہوم کی ایک دوسری حدیث ہے:

من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مأة شھید. (رواہ البیھقی)

ترجمہ: جس نے میری سنت کو مضبوطی کیساتھ تھاما میری امت میں بگاڑ کے وقت، اس کیلئے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔

ان حدیثوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اجر میں اضافہ کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو سنت پر عمل کرنے کا اجر ملے گا۔ اور دوسرے ایک مردہ سنت کو زندہ کرنے کا اجر۔ اس روشنی میں بلا کسی شک و شبہ کے یہ بات کہی

جاسکتی ہے کہ ایک منہدم مسجد کو دوبارہ کھڑی کرنے میں ایک تو مسجد بنانے کا دوسرے اللہ کے دشمنوں اور شیطان کے ظالم ایجنٹوں کی ناراضگی کی پرواہ نہ کرنے کا اور ان کو ذلیل وخوار اور ناکام کرکے اللہ کی منشا کو پوری کرنے کا۔ ظاہر ہے کہ یہ کام انتہائی دشوار گزار مراحل سے گزر کر ہی کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح کسی منہدم مسجد کو دوبارہ بنانا نئی مسجد بنانے کے مقابلہ میں زیادہ ایثار وقربانی اور جانفشانی کا متقاضی ہے۔ اس لئے اس کے اجر وثواب میں اضافہ ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

من الف المسجد الفه اللّٰہ۔ (رواہ البیہقی)

ترجمہ: جو شخص مسجد سے الفت رکھے گا اللہ اس کو محبوب بنالے گا۔

مسجد سے الفت کا کیا تقاضہ ہوسکتا ہے؟ اس کو سمجھنا کوئی دشوار بات نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ آدمی کسی سے محبت کا دعویٰ کرے اور اس کو ذلیل ورسواء ہوتے ہوئے دیکھے پھر بھی خاموش رہے تو اس کے دعوئ محبت کی کیا حیثیت رہ جائے گی؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مسجد میں چراغ جلائے گا اس کیلئے فرشتے اس وقت تک استغفار کرتے رہیں گے جب تک اس چراغ کی روشنی باقی ہے۔ قابل غور بات ہے کہ مسجد میں روشنی کرنے کا یہ اجر ہے تو شہید مسجد کو نئے سرے سے کھڑی کرنے کے اجر کا کیا اندازہ کیا جاسکتا ہے؟ اس سے یہ بات بھی سمجھی جاسکتی ہے کہ مسجد کو تیرہ وتاریک جو دیکھتا رہے، روشنی کرنے کی فکر نہ کرے، اس کے گناہ گار ہونے میں کوئی شبہ نہ ہوگا۔ اسی طرح مسجد کو منہدم ہی نہیں بلکہ اس کی جگہ بت خانہ بنا ہوا دیکھنے والے دیکھیں اور ان کے اندر کوئی فکر، کوئی بے چینی اور کوئی حرکت نہ پیدا ہو تو ان کے مردہ دل اور گناہگار ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے؟۔ اسی لئے مسجد کی آباد کاری کو قرآن میں ایمان کی علامت اور ایمان کا تقاضہ بتایا گیا ہے۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ وَفِى النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ (التوبۃ:۱۸-۱۷)

ترجمہ: مشرکین کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مسجدوں کے مجاور وخادم بنیں درآنحالیکہ اپنے اوپر وہ خود کفر کی شہادت دے رہے ہیں ان کے تو سارے اعمال ضائع ہوگئے اور جہنم میں انہیں ہمیشہ رہنا ہے۔ اللہ کی مسجدوں کے آباد کار تو وہی لوگ ہوسکتے ہیں جو اللہ اور روز آخر کو مانیں اور نماز قائم کریں زکوۃ دیں اور اللہ کے سواء کسی سے نہ ڈریں۔

ان آیات کا خلاصہ معارف القران میں مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے جو پیش فرمایا ہے اس کو پہلے دیکھ لیجئے:

''مشرکین مکہ اپنی مشرکانہ رسوم کو عبادت اور مسجد حرام کی عمارت و آبادی کا نام دیتے اور اس پر فخر کیا کرتے تھے کہ ہم بیت اللہ اور مسجد حرام کے متولی اور اس کی عمارت کے ذمہ دار ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عباسؓ جب اسلام لانے سے پہلے غزوۂ بدر میں گرفتار ہوئے اور مسلمانوں نے ان کو کفر وشرک پر قائم رہنے سے عار دلائی تو انہوں نے جواب دیا کہ تم لوگ صرف ہماری برائیاں یاد رکھتے ہو اور بھلائیوں کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم بیت اللہ اور مسجد حرام کو آباد رکھنے اور اس کا انتظام کرنے اور حجاج کو پانی پلانے وغیرہ کی خدمات کے متولی بھی ہیں۔ اس پر قرآن کریم کی یہ آیتیں نازل ہوئیں: مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ...... یعنی مشرکین کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مساجد کی تعمیر کریں۔ کیونکہ مسجد صرف وہی جگہ ہے جو ایک اللہ وحدہ کی عبادت کیلئے بنائی گئی ہے، شرک اور کفر اس کی ضد ہے۔ وہ عمارت مسجد کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی۔

عمارت مسجد کا لفظ جو اس آیت میں آیا ہے کئی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ ایک ظاہری در و دیوار کی تعمیر، دوسرے مسجد کی حفاظت اور صفائی اور ضروریات کا انتظام، تیسرے عبادت کے لئے مسجد میں حاضر ہونا، عمرہ کو عمرہ اسی مناسبت سے کہا جاتا ہے کہ اس میں بیت اللہ کی زیارت اور عبادت کیلئے حاضری ہوتی ہے۔

مشرکین مکہ تینوں معنی کے اعتبار سے اپنے آپ کو معمار بیت اللہ اور عمارت مسجد حرام کا ذمہ دار سمجھتے تھے اور اس پر فخر کیا کرتے تھے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمادیا کہ مشرکین کو اللہ کی مساجد کی عمارت کا کوئی حق نہیں جبکہ وہ خود اپنے کفر وشرک کے گواہ ہیں۔ ان لوگوں کے اعمال حبط اور ضائع ہوگئے اور وہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں رہیں گے۔

خود اپنے کفر وشرک کی گواہی کا مطلب یا تو یہ ہے کہ اپنے مشرکانہ افعال و اعمال کے سبب گویا خود اپنے کفر و شرک کی گواہی دے رہے ہیں۔ یا یہ کہ یہ عادۃً جب کسی نصرانی یا یہودی سے پوچھا جائے کہ تم کون ہو؟ تو وہ اپنے آپ کو نصرانی یا یہودی کہتا ہے۔ اسی طرح مجوس اور بت پرست اپنے کافرانہ ناموں سے ہی اپنا تعارف کرواتے ہیں۔ یہی ان کے کفر وشرک کا اعتراف اور شہادت ہے۔ (ابن کثیر)

اس آیت میں عمارت مسجد کا منفی پہلو بیان کیا گیا تھا کہ مشرکین اس کے اہل نہیں ہیں۔ دوسری آیت میں عمارت مسجد کا مثبت پہلو اس طرح ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ. (التوبۃ:۱۸)

یعنی مسجدوں کو آباد کرنا انہیں لوگوں کا کام ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاویں اور نماز کی پابندی کریں اور زکوۃ دیں اور بجز اللہ تعالیٰ کے کسی سے نہ ڈریں۔ سو ایسے لوگوں کے متعلق توقع ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے۔

مطلب یہ ہے کہ مساجد کی اصلی عمارت صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے احکام الٰہی کے پابند ہوں اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہوں اور نماز زکوۃ کے پابند ہوں اور اللہ کے سواء کسی سے نہ ڈرتے ہوں اس جگہ صرف اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان کا ذکر کیا گیا۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کے ذکر کرنے کی اس لئے ضرورت نہ سمجھی گئی کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی کوئی صورت بجز اس کے ہو ہی نہیں سکتی کہ رسول پر ایمان لائے۔ اور اس کے ذریعہ جو احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئیں ان کو دل سے قبول کرے۔ اسلئے ایمان باللہ میں ایمان بالرسول فطری طور پر داخل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابۂ کرام سے پوچھا تم جانتے ہو کہ اللہ پر ایمان کیا چیز ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پر ایمان یہ ہے کہ آدمی دل سے اس کی شہادت دے کہ اللہ تعالیٰ کے سواء کوئی قابل عبادت نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اس حدیث نے بتلا دیا کہ رسول پر ایمان لانا اللہ پر ایمان لانے میں داخل اور شامل ہے۔ (مظہری بحوالہ صحیحین)

اور یہ جو ارشاد فرمایا کہ اللہ کے سواء کسی سے نہ ڈرے، اس کے معنی یہ ہیں کہ دین کے معاملہ میں کسی کے خوف سے اللہ کے حکم کو ترک نہ کرے۔ ورنہ خوف کی چیزوں سے ڈرنا اور دہشت کھانا تو تقاضائے عقل وفطرت ہے۔ درندے اور زہریلے جانوروں سے چور ڈاکو سے طبعی طور پر ڈرنا اس کے خلاف نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے سامنے جب جادوگروں نے رسیوں کے سانپ بنا کر دکھلائے تو وہ ڈر گئے۔ "اَوۡجَسَ فِیۡ نَفۡسِہٖ خِیۡفَۃً مُّوۡسٰی" اس لئے ایذا اور نقصان پہنچانے والوں سے طبعی خوف نہ حکم قرآنی کے خلاف ہے، نہ رسالت اور ولایت کے۔ ہاں اس خوف سے مغلوب ہو کر اللہ تعالیٰ کے احکام میں خلل ڈالنا یا ان کو ترک کر دینا مؤمن کی شان نہیں، یہی اس جگہ مراد ہے۔

بعض مسائل متعلقہ آیت:

اور عمارت مسجد جس کے متعلق ان آیتوں میں یہ ذکر ہے کہ مشرک کافر نہیں کر سکتے بلکہ وہ صرف نیک صالح مسلمان ہی کا کام ہے۔ اس سے مراد مساجد کی تولیت اور انتظامی ذمہ داری ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی کافر کو کسی اسلامی وقف کا متولی اور منتظم بنانا جائز نہیں، باقی رہا ظاہری در و دیوار وغیرہ کی تعمیر سو اس میں کسی غیر مسلم سے بھی کام لیا جائے تو مضائقہ نہیں۔ (تفسیر مراغی)

اسی طرح اگر کوئی غیر مسلم ثواب سمجھ کر مسجد بنادے یا مسجد بنانے کیلئے مسلمانوں کو چندہ دے دے تو اس کا قبول کر لینا بھی اس شرط سے جائز ہے کہ اس سے کسی دنیوی یا دینی نقصان یا الزام کا یا آئندہ اس پر قبضہ کر لینے کا یا احسان جتلانے کا خطرہ نہ ہو۔ (ردالمحتار، شامی، مراغی)

اور اس آیت میں جو یہ ارشاد فرمایا کہ مساجد کی عمارت اور آبادی صرف نیک مسلمان ہی کا کام ہے اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جو شخص مساجد کی حفاظت، صفائی اور دوسری ضروریات کا انتظام کرتا ہے اور جو عبادت اور

ذکر اللہ کیلئے یا علم دین اور قرآن پڑھنے پڑھانے کیلئے مسجد میں آتا جاتا ہے اس کے یہ اعمال اس کے مومن کامل ہونے کی شہادت ہیں۔

امام ترمذی اور ابن ماجہ نے بروایت ابوسعید خدری ؓ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد کی حاضری کا پابند ہے تو اس کے ایمان کی شہادت دو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ اور صحیحین کی حدیث میں ہے کہ ''آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص صبح شام مسجد میں حاضر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت کا ایک درجہ تیار فرما دیتے ہیں''۔

اور حضرت سلمان فارسی ؓ نے روایت کیا کہ ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مسجد میں آیا وہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کرنے والا مہمان ہے، اور میزبان پر حق ہے کہ مہمان کا اکرام کرے۔''

(مظہری بحوالہ طبرانی، ابن جریر بیہقی وغیرہ)

مفسر قرآن حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے فرمایا کہ ''عمارت مسجد میں یہ بھی داخل ہے کہ مسجد کو ایسی چیزوں سے پاک کرے جن کیلئے مسجدیں نہیں بنائی گئیں، مثلاً خرید وفروخت، دنیا کی باتیں، کسی گم گشتہ چیز کی تلاش، یا دنیا کی چیزوں کا لوگوں سے سوال، یا فضول قسم کے اشعار، جھگڑا، لڑائی اور شور وشغب وغیرہ۔'' (مظہری)

زیر بحث آیات فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی ہیں۔ ان آیات سے پہلے بات یہ چل رہی ہے کہ مشرکین سے قطعی علاحدگی اختیار کرو اور ان کو ہم راز نہ بناؤ اور ان سے جہاد کرو۔ ان آیات کے بعد بھی جہاد کی اہمیت بتائی گئی ہے۔ اس طرح سیاق وسباق کی روشنی میں ان دونوں آیتوں سے جو بات معلوم ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ مشرکین سے بے تعلقی اختیار کرنا، ان سے دوستی نہ کرنا، اور ان سے جہاد کرنا، اس لئے ضروری ہے کہ وہ اقراری کافر ومشرک ہونے کے باوجود مسجد حرام پر قابض ہیں اور اللہ کے گھر میں بتوں کی پوجا کر رہے ہیں لہٰذا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ مشرکین کو بے دخل کریں اور اللہ کے گھر کو صحیح معنی میں آباد کریں۔

سوچئے کہ مشرکین کو حق نہیں ہے کہ وہ مساجد کو آباد کریں اور اللہ کی مسجدوں کو صرف اہل ایمان آباد کرتے ہیں۔ بات یہ کس سے کہی جا رہی ہے اور کیوں کہی جا رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے مخاطب مسلمان ہی ہیں۔ گویا ان سے کہا جا رہا ہے کہ مسجد حرام کو مشرکین سے آزاد کراؤ۔ لیکن چونکہ مساجد اللہ کا جمع لفظ استعمال ہوا ہے اس لئے اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ تمام مساجد کو مشرکین سے آزاد رہنا چاہئے اور اگر کسی مسجد پر مشرکین قابض ہیں تو مسلمانوں کو چاہئے کہ ان کو بے دخل کریں۔ ان آیات میں محض ایک بات کی خبر نہیں دینی ہے بلکہ اس میں مسلمانوں کو ایک حکم دینا مقصود ہے جیسا کہ ہم نے "مَا کَانَ لَھُمۡ اَنۡ یَّدۡخُلُوۡھَا" پر گفتگو کرتے ہوئے بتایا ہے۔ اس موقع پر مزید وضاحت کے لئے شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا تفسیری نوٹ دیکھئے:

''پہلے فرمایا تھا کہ مسلمان بدون امتحان کے یونہی نہیں چھوڑے جاسکتے بلکہ بڑے بڑے عزائم اعمال (مثلاً جہاد وغیرہ) میں ان کی ثابت قدمی دیکھی جائے گی اور یہ کہ تمام دنیا کے تعلقات پر کس طرح خدا اور رسول کی جانب کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس رکوع میں یہ بتلایا کہ خدا کی مساجد (عبادت گاہیں) حقیقتاً ایسے ہی اولوالعزم مسلمانوں کے دم سے آباد رہ سکتی ہیں۔ مساجد کی حقیقی آبادی یہ ہے کہ ان میں خدائے واحد کی عبادت اس کی شان کے لائق ہو۔ ''ذکر اللہ'' کرنے والے کثرت سے موجود ہوں جو بے روک ٹوک خدا کو یاد کریں۔ لغویات وخرافات سے ان پاک مقامات کو محفوظ رکھا جائے۔ یہ مقصد کفار ومشرکین سے کب حاصل ہوسکتا ہے؟ دیکھئے مشرکین مکہ بڑے فخر سے اپنے کو ''مسجد حرام'' کا متولی اور خادم کہتے تھے۔ مگر ان کی بڑی خدمت گذاری یہ تھی کہ پتھر کی سینکڑوں مورتیاں کعبہ میں رکھ چھوڑی تھیں ان ہی کی نذر و نیاز کرتے اور منتیں مانتے تھے بہت سے لوگ ننگے طواف کرتے تھے ذکر اللہ کی جگہ سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے اور خدائے واحد کے سچے پرستاروں کو وہاں تک پہنچنے کی اجازت نہ دیتے تھے لے دے کر ان کی بڑی عبادت یہ تھی کہ حاجیوں کے لئے پانی کی سبیل لگادی یا حرم شریف میں چراغ جلادیا۔ کعبہ پر غلاف چڑھایا یا کبھی ضرورت ہوئی تو شکست وریخت کی مرمت کرادی مگر یہ اعمال محض بے جان اور بے روح تھے۔ کیونکہ مشرک کو جب خدا کی صحیح معرفت حاصل نہیں تو کسی عمل میں اُس کا قبلۂ توجہ اور مرکز اخلاص خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی ذات منبع الکمالات نہیں ہوسکتی۔ اسی لئے کافر کا کوئی عمل خدا کے نزدیک زندہ اور معتد بہ عمل نہیں ہے۔ (اسی کو ''حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ'' سے تعبیر فرمایا) الغرض کفار ومشرکین جو اپنے حال وقال سے اپنے کفر وشرک پر ہر وقت شہادت دیتے رہتے ہیں۔ اس لائق نہیں کہ اُن سے مساجد اللہ خصوصاً مسجد حرام کی حقیقی تعمیر (آبادی) ہوسکے۔ یہ کام صرف اُن لوگوں کا ہے جو دل سے خدائے واحد اور آخری دن پر ایمان لاچکے ہیں جوارح سے نمازوں کی اقامت میں مشغول رہتے ہیں اموال میں سے باقاعدہ زکوۃ ادا کرتے ہیں اور خدا کے سواء کسی سے نہیں ڈرتے۔ اسی لئے مساجد کی صیانت وتطہیر کی خاطر جہاد کیلئے تیار رہتے ہیں۔ ایسے مومنین جو دل و زبان، ہاتھ پاؤں، مال ودولت، ہر چیز سے خدا کے مطیع فرمانبردار ہیں۔ ان کا فرض منصبی ہے کہ مساجد کو آباد رکھیں اور تعمیر مساجد کے جھوٹے دعوے رکھنے والے مشرکین کو خواہ اہل قرابت ہی کیوں نہ ہوں وہاں سے نکال باہر کریں کیونکہ اُن کے وجود سے مساجد اللہ کی آبادی نہیں بربادی ہے۔''

ان آیات سے متعلق چند جملے مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ کے دیکھئے:

''فقہاء نے اس سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ کوئی کافر کسی مسجد کا متولی یا بانی وخادم ہونے کے لائق نہیں۔ واقتضت الاية منع الكفار من دخول المساجد ومن بناءها وتولى مصالحها والقيام بها''

(جصاص تفسیر ماجدی)

مساجد کو آباد کرنے والوں کی صفات

مساجد اللہ کو آباد کرنے والوں کے اندر چار صفات اور خصوصیات کا ہونا ضروری ہے۔ اس کے بغیر آباد کاری کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ وہ چار صفات یہ ہیں:

① اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان

② اقامتِ صلوٰۃ

③ اِیتاءِ زکوۃ

④ اللہ کے علاوہ کسی سے نہ ڈرنا

ان صفات کو ایک رُخ سے دیکھا جائے تو وہ ایک کسوٹی کی حیثیت رکھتی ہیں جن کو مساجد اللہ سے محبت کا دعویٰ ہو۔ یا جو لوگ مساجد کی حفاظت اور صیانت کرنا چاہتے ہیں تو وہ پہلے اپنے اندر ان صفات کو پیدا کریں اور اس کسوٹی پر اپنے کو پرکھیں اور اس پہلو سے جو کمی ہو اس کو دور کرنے کی فکر کریں ورنہ نہ مساجد کی محبت کا حق ادا ہوگا اور نہ ان کی جدوجہد صحیح ڈھنگ پر ہوسکتی ہے اور بڑی بات یہ کہ دنیا کی نظروں میں چاہے اس کی کچھ قیمت اور اہمیت ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے پاس اس کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی۔

ایک دوسرے زاویہ سے دیکھا جائے تو یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ بابری مسجد کے تحفظ اور صیانت میں جو سرد مہری منظر عام پر آئی ہے اس کی وجہ کیا ہے؟۔ زیر بحث آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مساجد کی آباد کاری کی صلاحیت ایمانی صفات سے پیدا ہوتی ہے اور نا اہلی کا سبب کفر ہوتا ہے۔ لہٰذا کفر سے جتنی دوری اور ایمانی صفات سے جتنی مناسبت اور قربت ہوگی اتنی ہی مساجد کی صیانت اور حفاظت کا حق ہم ادا کرسکیں گے۔

ہمارے اندر ضعف ایمانی کے علاوہ اقامت صلوۃ کی صفت کا بڑا فقدان ہے۔ جہاں اقامت صلوۃ ہے وہاں بسا اوقات ایتاءِ زکوۃ نہیں ہے۔ اور جہاں یہ دونوں صفات پائی جارہی ہیں وہاں چوتھی صفت کی نمایاں کمی یا فقدان ہے۔ چنانچہ دیندار اور مذہبی طبقہ کو دینی مصلحتیں اور مفادات دنیا کی فکر ایسا گھیرے ہوئے ہے کہ وہ اپنی ساری خوبیوں کے باوجود موجودہ دور کے نمرودوں، فرعونوں، ابوجہلوں اور ابولہبوں کے خوف سے لرزاں اور ترساں ہیں۔ سعی وجدوجہد کرنا تو دور کی بات ہے اس مسئلہ کا ذکر بھی ان کے نزدیک خود اپنی کشتی کو خطرناک طوفان میں ڈال دینے کے برابر ہے۔



مساجد کو بچانے قتال کی مشروعیت



وَلَوۡلَا دَفۡعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ لَّهُدِّمَتۡ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذۡكَرُ فِيۡهَا اسۡمُ اللّٰهِ كَثِيۡرًا وَلَيَنۡصُرَنَّ اللّٰهُ مَنۡ يَّنۡصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِىٌّ عَزِيۡزٌ. (الحج:۴۰)

ترجمہ: اور اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ تو ڈھائے جاتے تکیے اور مدرسے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں نام لیا جاتا ہے اللہ کا بہت اور ضرور اللہ مدد کرے گا اس کی جو مدد کرے اس کی۔ بیشک اللہ زبردست زور والا ہے۔

سورۃ بقرہ آیت: ۲۵۱ میں اللہ تعالیٰ کی یہ سنت بتائی گئی ہے کہ زمین کو شر و فساد سے بچانے کیلئے کسی کو اقتدار اور تسلط مستقل طور پر نہیں دیا جاتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ہٹاتے بڑھاتے رہتے ہیں۔ اس آیت میں اسی سلسلہ کی یہ بات بتائی جارہی ہے کہ عبادت گاہوں اور مسجدوں کو انہدام سے بچانے کیلئے ایک کو دوسرے کے ذریعہ ہٹانا اللہ کا دستور ہے۔ اس سے یہ حقیقت بالکل واضح طور سے سامنے آتی ہے کہ کوئی گروہ عبادت گاہوں اور مساجد کی بے حرمتی کرکے اور ان کو منہدم کرکے اقتدار پر باقی نہیں رہ سکتا۔ اللہ تعالیٰ اسے ضرور زوال اور ذلت سے دوچار کرے گا اور یہ کام انسانوں میں سے ہی کسی گروہ کے ذریعہ لیا جائے گا اور اللہ کا یہ کام جو کریں گے وہ گویا اللہ کی مدد کریں گے اور جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ اس کی مدد کریں گے اور اللہ زبردست اور زور والا ہے۔ اسکے سامنے کسی کی طاقت اور قوت کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس طرح آیت میں ان لوگوں کیلئے خوشخبری ہے جو بابری مسجد یا کسی ویران مسجد کی تعمیر نو کیلئے کوشش کریں گے کہ انہیں اللہ کی مدد اور نصرت ملے گی انہیں اطمینان رکھنا چاہئے گھبرانے کی ضرورت نہیں اور یہ کہ ان کا شمار انصار اللہ میں ہوگا۔

اس آیت کومزید سمجھنے کیلئے علاّمہ شبیرعثمانیؒ کی یہ تفسیر پڑھئے:

''یعنی اگر کسی وقت اور کسی حالت میں بھی ایک جماعت کو دوسری سے لڑنے بھڑنے کی اجازت نہ ہوتو یہ اللہ تعالیٰ کے قانون فطرت کی سخت خلاف ورزی ہوگی۔اس نے دنیا کا نظام ہی ایسا رکھا ہے کہ ہر چیز یا ہر شخص یا ہر جماعت دوسری چیز یا شخص یا جماعت کے مقابلہ میں اپنی ہستی برقرار رکھنے کیلئے جنگ کرتی رہے۔اگر ایسا نہ ہوتا اور نیکی کو اللہ تعالیٰ اپنی حمایت میں لے کر بدی کے مقابلہ میں کھڑا نہ کرتا تو نیکی کا نشان زمین پر باقی نہیں رہتا۔بددین اور شریر لوگ جن کی ہر زمانہ میں کثرت رہی ہے تمام مقدس مقامات اور یادگاریں ہمیشہ کیلئے صفحۂ ہستی سے مٹادیتے۔کوئی عبادتگاہ،تکیہ،خانقاہ،مسجد،مدرسہ محفوظ نہ رہ سکتا۔بناءعلیہ ضروری ہوا کہ بدی کی طاقتیں خواہ کتنی ہی مجتمع ہوجائیں قدرت کی طرف سے ایک وقت آئے جب نیکی کے مقدس ہاتھوں سے بدی کے حملوں کی مدافعت کرائی جائے۔اورحق تعالیٰ اپنے دین کی مدد کرنے والوں کی خود مدد فرما کران کو دشمنان حق وصداقت پر غالب کرے بلاشبہ وہ ایسا قوی اور زبردست ہے کہ اس کی اعانت وامداد کے بعد ضعیف سے ضعیف چیز بڑی سے بڑی طاقتور ہستیوں کوشکست دے سکتی ہے۔بہرحال اس وقت مسلمانوں کو ظالم کافروں کے مقابلہ میں جہاد وقتال کی اجازت دینا اسی قانون قدرت کے ماتحت تھا۔اور یہ وہ عام قانون ہے جس کا انکار کوئی عقلمند نہیں کرسکتا۔اگر مدافعت وحفاظت کا یہ قانون نہ ہوتا تو اپنے اپنے زمانہ میں نہ عیسائی راہبوں کے صومعے (کوٹھرے) قائم رہتے نہ نصاریٰ کے گرجے نہ یہود کے عبادت خانے نہ مسلمانوں کی وہ مسجدیں جن میں اللہ کا ذکر بڑی کثرت سے ہوتا ہے۔یہ سب عبادت گاہیں گرا اور ڈھا کر برابر کردی جاتیں۔پس اسی عام قانون کے تحت کوئی وجہ نہیں کہ مسلمانوں کو ایک وقت مناسب پر اپنے دشمنوں سے لڑنے کی اجازت نہ دی جائے۔''

ایک دوسرا تفسیری نوٹ بھی دیکھئے:

''جہاد وقتال کی ایک حکمت: وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ، اس میں جہاد وقتال کی حکمت کا اوراس کا بیان ہے کہ یہ کوئی نیا حکم نہیں۔پچھلے انبیاء اوران کی امتوں کو بھی قتال کفار کے احکام دیئے گئے ہیں اوراگر ایسا نہ کیا جاتا تو کسی مذہب اور دین کی خیر نہ تھی۔سارے ہی دین ومذہب اوران کی عبادت گاہیں ڈھادی جاتیں۔

''لھدمت صوامع وبیع وصلوت ومسجد'' جتنے دین ومذہب دنیا میں ایسے ہوئے کہ کسی زمانے میں ان کی اصل بنیاد اللہ کی طرف سے اوروحی کے ذریعہ سے قائم ہوئی تھی پھر وہ منسوخ ہوگئے اوران میں تحریف ہوکر کفر وشرک میں تبدیل ہوگئے مگر اپنے اپنے وقت میں وہی حق تھے،ان سب کی عبادت گاہوں کا اس آیت میں ذکر فرمایا ہے کیونکہ اپنے اپنے وقت میں ان کی عبادت گاہوں کا احترام اور حفاظت فرض تھی۔ان

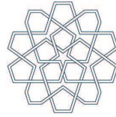
مذاہب کے عبادت خانوں کا ذکر نہیں فرمایا جن کی بنیاد کسی وقت بھی نبوت اور وحی الٰہی پر نہیں تھی۔ جیسے آتش پرست مجوس یا بت پرست ہندو کیونکہ ان کے عبادت خانے کسی وقت بھی قابل احترام نہ تھے۔

آیت میں صَوَامِعُ، صَومَعَۃٌ کی جمع ہے جو نصاریٰ کے تارک الدنیا راہبوں کی مخصوص عبادت گاہ کو کہا جاتا ہے اور بَیَعٌ بَیْعَۃٌ کی جمع ہے جو نصاریٰ کے عام کنیسوں کا نام ہے اور صَلَوٰتٌ صَلٰوۃٌ کی جمع ہے جو یہود کے عبادت خانے کا نام ہے اور مساجد مسلمانوں کی عبادت گاہوں کا نام ہے۔

مطلب آیت کا یہ ہے کہ کفار سے قتال و جہاد کے احکام نہ آتے تو کسی زمانے میں کسی مذہب و ملت کیلئے امن کی جگہ نہ ہوتی۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں صلوت اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں صوامع اور بیع اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں مسجدیں ڈھادی جاتیں۔'' (قرطبی) (معارف القرآن)



فتاویٰ



مسجد کو دوسری جگہ منتقل کرنا

سوال: ایک مسجد وسط محلہ میں واقع ہے، پانی کی بڑی دقت ہے، نمازیوں کو نماز ادا کرنے میں بھی دشواری کا سامنا ہے، دریں حالات اس مسجد کو یہاں سے ہٹا کر ایسی جگہ منتقل کیا جاسکتا ہے جس میں اس قسم کی دشواریاں نہ ہوں اور نماز بہ سہولت ادا کی جاسکے؟ **بینوا توجروا**

جواب: الجواب باسم ملهم الصواب: مسجد کو کسی حال میں بھی منتقل کرنا جائز نہیں، جو جگہ ایک بار مسجد بن گئی وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی۔ بالفرض مسجد ویران ہوجائے اور کوئی نماز پڑھنے والا بھی وہاں نہ رہے تو بھی اس کا ابقاء واجب ہے۔ البتہ ویران مسجد کے سامان پر خطرہ ہو تو اس کو دوسری قریب تر کسی مسجد کی طرف منتقل کیا جاسکتا ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

۱۱ر رجب ۱۳۸۹ (احسن الفتاوی، ۴۵۱، باب المساجد)

مسجد پر امام کا مکان بنانا

سوال: **امام کی سکونت کیلئے مسجد کے اوپر مکان تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا**

جواب: الجواب باسم ملهم الصواب: زمین کے جتنے قطعہ کو ایک بار مسجد شرعی قرار دے دیا گیا اس کے اندر اور نیچے اوپر کوئی دوسری چیز بنانا جائز نہیں۔ مسجد شرعی قرار دینے سے قبل امام کیلئے مکان یا مصالح مسجد کیلئے اور کچھ بنانا طے کرلیا ہو اور اس کی عام اطلاع بھی کردی ہو تو جائز ہے۔ مسجد شرعی ہوجانے کے بعد اگر متولی نے شروع ہی سے نیت کا دعویٰ کیا تو یہ قبول نہ ہوگا۔

قال فی شرح التنویر: لو بنی فوقه بیتا للامام لایضر لانـه من المصالح امالوتمت المسجدية ثم ارادالبناء منع ولو قال عنيت ذلک لم يصدق تاتر خانية (ردالمحتار، ص: ۳۸۲ جلد ۳). **واللہ تعالیٰ اعلم**

۱۱ محرم ۱۳۸۶ھ (احسن الفتاوی جلد ۶ ص ۴۴۴)

مسجد کی زمین میں امام کا مکان بنانا

سوال ایک مسجد کافی وسیع ہے، اس کا کچھ حصہ خارج کر کے اس میں امام مسجد کیلئے مکان تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

جواب الجواب باسم ملھم الصواب: جو زمین ایک دفعہ مسجد میں داخل ہوچکی ہے وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی، کسی بھی ضرورت کیلئے اسے مسجد سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔

قال فی شرح التنویر ولو خرب ماحوله واستغنی عنه یبقی مسجداً عندالامام والثانی ابداًالی قیام الساعة وبه یفتی۔

وفی الشامیة (قوله ولوخرب ماحوله الخ) ای ولو مع بقائه عامرا وكذا لوخرب ولیس له ما یعمر به وقد استغنی الناس عنه لبناء مسجد اخر۔ **واللہ تعالیٰ اعلم** (ردالمحتار، ص:۵۱۳، ج:۳) ۱۹/شوال ۱۳۷۴ھ (احسن الفتاوی جلد،۶،ص ۴۳۶)

پرانی مسجد کو مکتب بنانا

سوال پرانی مسجد کو مکتب بنانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

جواب الجواب باسم ملھم الصواب: مسجد جب ایک بار بن گئی تو وہ ہمیشہ مسجد ہی رہے گی، خواہ لوگ اس میں نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں، لہٰذا اس کو مکتب بنانا جائز نہیں۔ البتہ اس کی مسجدیت اور ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس میں دین کی تعلیم دینا ان شرائط سے جائز ہے:

① معلم اجرت لے کر نہ پڑھائے۔ بقدر ضرورت وظیفہ لے سکتا ہے۔

② چھوٹے بے سمجھ بچوں کو مسجد میں نہ آنے دیا جائے۔

③ مسجد کے احکام اور ادب واحترام کا پورا اہتمام رکھا جائے۔

قال فی التنویر: ولوخرب ماحوله واستغنی عنه یبقی مسجداً۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمه اللّٰه تعالیٰ: ولا یجوز نقله ونقل ماله الی مسجد اخر سواء كانوا یصلون فیه اولا وهو الفتوی حاوی القدسی واكثر المشایخ علیه مجتبی وهوالاوجه فتح اوبحر۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

(ردالمحتار ص:۳۸۲، جلد:۳) ۶/جمادی الثانی ۱۳۹۲ھ (احسن الفتاوی جلد،۶،ص:۵۴۶)

جامع مسجد میں نماز پنجگانہ افضل ہے
یا مسجد محلہ میں اور جامع مسجد کی فضیلت جمعہ کے ساتھ مختص ہے یا عام

سوال ① جامع مسجد میں پنجوقتی نماز باجماعت پڑھنا افضل ہے یا محلہ کی مسجد میں پڑھنا باجماعت افضل ہے؟
② اور یہ فضیلت مختص بہ صلوٰۃ جمعہ ہے؟
③ یا عام ہے؟ بینوا توجروا

جواب ① محلہ کی مسجد میں۔
② ہاں غیر اہل محلہ کیلئے۔
③ ہاں اہل محلہ کیلئے فقط (۶ ؍رمضان المبارک ۱۳۳۰ھ، تتمہ اول، ص:۴۲) (امداد الفتاوی جلد:۲،ص:۶۵۸)

عدم جواز اجازت طبل و باجہ وغیرہ کفار را بقرب مسجد

سوال جناب مقام صدر بدنور ضلع بیتول جو ریلوے اسٹیشن ہے وہاں ایک بازار نیا گنج تیار ہوا ہے اور بفضل خدا چند مسلمانان وہاں جمع ہو گئے اور شہر بدنور سے اسٹیشن ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ہے اور مسجد شہر میں ہے۔ گنج شہر سے مسجد آنے میں سخت دقت پڑتی ہے اس لئے مسلمانان گنج و شہر والوں نے ایک درخواست دوسری مسجد گنج میں بنانے کو صاحب ضلع بہادر کو دی اور اجازت مسجد دے کر بنوانے کا حکم بھی اس شرط پر ہو گیا کہ باجا بجنا مسجد سے کتنے فاصلہ پر سے بند کیا جائے کہ جس میں تشویش نماز میں مصلیوں کو نہ ہو۔ فتویٰ ہندوستان سے کسی مولوی و مفتی کا منگوا دو صاحب ضلع بہادر نے مانگا ہے؟
بینوا توجروا

جواب فی ردالمحتار فی حاشیۃ الحموی عن الامام الشعرانی اجمع العلماء سلفا و خلفا علی استحباب ذکر الجماعۃ فی المساجد وغیرھا الا ان یشوش جھرھم علی نائم او مصل او قاری الخ (ص:۶۹۱، ج:۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب پکار کر ذکر کرنا باوجودیکہ فی نفسہ مستحب ہے جس وقت اُس سے کسی نماز پڑھنے والے یا قرآن پڑھنے والے کو تشویش ہو وہ ناجائز ہو جاتا ہے تو باجا جو کہ فی نفسہ بھی ناجائز ہے جب اُس سے ایسی تشویش پیدا ہو، ضرور اُس سے روکا جاوے گا۔ اور تشویش میں یہ بھی داخل ہے کہ جماعت ہو رہی ہو اور باجہ کی آواز سے امام کی آواز، قرأت یا تکبیر کی مقتدیوں تک نہ پہنچے اور اس لئے ان کی نماز اس طرح خراب ہو کہ امام مثلاً سجدہ سے اٹھا اور مقتدی بوجہ آواز نہ پہنچنے

کے سجدہ ہی میں پڑے رہے تو ایسی تشویش کسی قدر دور کے باجہ سے ہوسکتی ہے جب تک بہت دور نہ ہو اور یہ بات تجربہ سے معلوم کرکے اندازہ فاصلہ کا مقرر کیا جاسکتا ہے۔ شریعت میں اس کی کوئی خاص حد نہیں۔ فقط (۸ر جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ، حوادث خامس، ص:۷)، (امداد الفتاوی، جلد:۲، ص:۶۵۸)

حکم درختاں نصب کردہ عامئے در قبرستان

سوال کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ مندرجہ ذیل میں:

① عام قبرستان میں اگر کسی نے درخت پھلدار لگائے تو اُس درخت کا پھل ولکڑی وہ شخص اپنے مصرف میں لانے کا مستحق ہے یا نہیں اور اُس درخت کا مالک ہے یا نہیں؟

② بلا اجازت غارس کے عام مسلمانان اُس درخت کی لکڑی کسی میت کے تختہ میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟

③ اگر وہ درخت غارس کا نہیں ہے تو اُس کا پھل ولکڑی خود غارس و نیز عام مسلمانان کو کھانا و لے جانا درست ہے یا نہیں؟

④ ان درختوں کی قیمت سے مسجد کی مرمت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ یا صرف قبرستان ہی پر صرف کیا جاوے؟ بینوا توجروا

جواب الجواب عن الکل: اگر اُس نے بہ نیت وقف لگائے ہیں تو اُس وقف کا جو مصرف ہے وہی ان درختوں کا مصرف ہے اور اگر بہ نیت اپنے مالک ہونے کے لگائے ہیں تو خود اس کی ملک ہیں دوسروں کو اُن سے منتفع ہونا بلا اس کی اذن کے جائز نہیں۔ البتہ متولی قبرستان کو یا عام مسلمانوں کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اس شخص کو مجبور کریں کہ وہ ان درختوں کو اُکھاڑ لے اور زمین قبرستان کو خالی کردے۔ اس تقریر سے سب سوالوں کا جواب ہوگیا۔ فقط

(۱۷ر شوال المکرم ۱۳۳۲ھ، تتمہ ثانی، ص:۵۷) (امداد الفتاوی، جلد:۲، ص:۶۰۸)

حکم مساجد ومقابر منہدمہ

سوال پرانی دہلی میں بہت سی مساجد قدیمہ ایسی ہیں جو گردش زمانہ سے بالکل ویران ہوگئی ہیں اور قطعی طور پر غیر آباد ہیں۔ ان میں سے اکثر پر لوگوں نے مالکانہ تصرف کرلیا ہے اور اُن میں یا تو رہائش اختیار کرلی ہے یا مویشی باندھتے ہیں یا اُن کا چارہ از قسم بھوسہ وغیرہ رکھتے ہیں۔ بعض ایسی بھی ہیں جو کہ بالکل خالی ہیں اور اُن کو وہ لوگ جنہوں نے کہ اُس زمین کو جہاں کہ وہ واقع ہیں خرید لیا ہے یا ترکہ

میں پایا ہے اپنی ملکیت گردانتے ہیں۔ پس علمائے دین متین سے یہ سوالات ہیں:

① آیا کہ مسجد کسی وقت میں کسی کی ملکیت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور اُس کو کوئی شخص اپنی ملکیت بنا کر فروخت کرسکتا ہے یا نہیں؟

② اگر کوئی شخص کسی مسجد پر مالکانہ تصرف رکھتا ہو آیا یہ امر ضروری ہے یا نہیں کہ اُس کے قبضہ تصرف سے وہ مسجد نکال لی جاوے اور اس کو بطور مسجد رکھا جاوے؟

③ پرانی دہلی میں مقبرے قدیمہ بھی کثرت سے پائے جاتے ہیں اور اُن میں سے اکثر کی یہی کیفیت ہے جو مذکورہ بالا مساجد کی۔ ان مقبروں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

جواب: فی الدر المختار ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عندالامام والثانی ابداً الی قيام الساعة وبه يفتي حاوی القدسی فی ردالمحتار قوله لوخرب ماحوله الخ۔ ای ولو مع بقائه عامر او كذا لو خرب وليس له ما يعمر به وقد استغنى الناس عنه خرب لبناء مسجد اخر۔ قوله عندالامام والثانی فلا يعود ميراثا ولا يجوز نقله ونقل ماله الى مسجد اخر سواء كانوا يصلون فيه اولا وهو الفتوى حاوی القدسی واكثر المشائخ عليه مجتبی وهو الاوجه فتح (ج:۳، ص:۵۷۳)

① اس روایت سے معلوم ہوا کہ مسجد کسی وقت کسی کی ملکیت نہیں ہوسکتی اور اُس کو کوئی شخص اپنی ملک بنا کر فروخت نہیں کرسکتا۔

② یہ نکال لینا ایک فرع ہے ازالۂ منکر کی، سو اس کا مدار قدرت پر ہے۔ اگر کسی کو اس پر قدرت ہو تو اُس پر واجب ہے اور اگر قدرت نہ ہو تو دل سے ناگواری اور عمل میں صبر کافی ہے۔

وهذا ظاهر من القواعد الشرعية (ب) فی الدر المختار بعد العبادة المادة فی (الف) وكذا الرباط والبئر اذا لم ينتفع بهما اه قلت قوله وكذا ای مثل المسجد فی الحكم ای عدم عوده الىٰ ملك احد ويتفرع عليه الحكم المذكور فی (الف۲).

اس سے ثابت ہوا کہ ان مقبروں کا بھی وہی حکم ہے جو مساجد کا مذکور ہوا۔ (الف ۲) میں بھی۔ فقط

(یکم رذی القعدہ ۱۳۳۲ھ، تتمہ ۲، ص:۱۷۹) (امداد الفتاوی، جلد:۲، ص:۶۰۹)

مسجد کے دریا برد ہونے کے خوف سے اُس کو منہدم کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دریائے راوی نے ہمارے قصبہ

سیدوالہ کو گرانا شروع کر دیا ہے۔قصبہ کی آبادی کا ایک حصہ دریا نے کاٹ کر صاف کر دیا ہے اور بعض بڑے بڑے مقامات گر چکے ہیں دریائے مذکور کی حالت اس قسم کی خوف ناک ہو چکی ہے جس سے اہالیان شہر کا متفقہ خیال ہو چکا ہے کہ اب یہ شہر ضرور منہدم ہو جائے گا۔لوگ نئی آبادی کی بنیاد ڈالنے کے واسطے تجاویز کر چکے ہیں۔اس قصبہ میں تقریباً چھ سات مساجد اہل سنت والجماعت مسلمانوں کی ہیں اور وہ قصبہ کے باقی محلات کے ساتھ سخت خطرہ میں ہیں۔

اگر دریا شہر کو کاٹ کر بتدریج ان مساجد کے قریب پہنچے اور ان کو گرانا شروع کر دے جس سے یقیناً تمام ملبہ و پختہ اینٹیں،لکڑی کا سامان،شہتیر، باسے وغیرہ دریا میں غرق ہو جائیں گے یا بہہ جائیں گے۔اور چونکہ یہاں کے مسلمان بہت مفلوک الحال اور افلاس زدہ ہو چکے ہیں اس قسم کی پختہ عمارات زمانہ قدیم کی تعمیر شدہ ہیں، اس صورت میں اور متذکرۃ الصدر حالات کے ماتحت اگر مسلمان مساجد کا تمام ضروری اور کارآمد ملبہ مع پختہ فرشوں کے اکھیڑ لیں تا کہ نئی مسجد کی تعمیر میں لگایا جاسکے تو شرعاً مسلمانوں کا یہ فعل جائز ہے یا نہیں۔یعنی تحریم مساجد کے منافی تو نہیں جو خدا و خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک قابل مؤاخذہ ہو۔جواب جلد ارسال فرماویں تباہی ہمارے سروں پر منڈلا رہی ہے۔**بینوا توجروا**

جواب نازک مسئلہ اور بڑے درجہ کے سائل۔اس کا جواب تو محققین کے مشورہ سے دیا جانا مناسب تھا اب بھی ممکن ہے کہ دیو بند سے رجوع فرمایا جائے اور یہ میری تحریر بھی بھیج دی جائے باقی امتثال امر کیلئے میں بھی اپنا خیال عرض کر دوں۔جزئیہ کا حوالہ تو ذہن میں نہیں قواعد سے عرض کرتا ہوں۔اگر غالب گمان گرنے کا نہ ہو تو ہدم جائز نہیں اور اگر غالب گمان ہو تو اس نیت سے جائز ہے (اور اس نیت کا اعلان بھی کر دیا جائے) کہ اگر دریا بُرد ہو گئی تو اس کے ملبہ سے نئی آبادی میں مسجد بنائیں گے اور اگر سالم رہی تو پھر اصلی جگہ تعمیر کر دیں گے اور یہ سب تفصیل اس وقت ہے کہ جب خود منہدم ہو جانے کے وقت حمل و نقل کی قدرت نہ رہے گی ورنہ خود انہدام کا انتظار ضروری ہے۔فقط

(۲۰ر جمادی الاوّل ۱۳۵۴ھ)	(امداد الفتاوی، جلد:۲ ص:۷۲۲)

عدم جواز ساختن حوض کہ جزوی ازاں زیر مسجد باشد

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک محلہ میں ایک مسجد قدیم ہے۔اس کے آگے ایک دوسری زمین ہے۔فنائے مسجد سے اس میں حوض بنانا چاہتے ہیں مصالح مسجد کیلئے۔مگر حوض کیلئے وہ جگہ

کافی نہیں اگر وہ حوض کسی قدر مسجد کے نیچے آوے اور اُس کے اوپر سے ویسی ہی چھت ڈالی جائے جیسے کہ پہلے تھا تو آیا یہ درست ہے یا نہیں۔ اس صورت میں مسجد بھی کم نہ ہوگی اور حوض بھی بقدر دوگز کے مساجد کے نیچے کو آجاوے گا اور اوپر سے چھپا ہوا ہوگا بہ مثل سابق لوگ اس پر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ بینوا توجروا

جواب: درست نہیں۔ فقط (ربیع الاوّل ۱۳۳۹ھ) (امداد الفتاوی، جلد: ۲، ص: ۶۸۶)

عدم جواز ساختن حوض کہ جزوے ازاں زیر مسجد باشد

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین کہ جامع مسجد حسن پور میں حوض نہیں ہے جس کی وجہ سے وضو آسانی سے نہیں ہوسکتا اور مسجد کے صحن کے علاوہ حوض بنانے کے واسطے اراضی حاصل نہیں ہوسکتی اگر صحن مسجد میں حوض بہ شکل مستطیل جس کا طول ۲۴ درعہ اور عرض ۴ گز چارتسو جس کا رقبہ سوگز ہوگیا بنا کر اوپر پاٹ دی جاوے تاکہ نماز کی جگہ میں کچھ کمی نہ ہو اور وضو کرنے کے واسطے جو اس نالی وضو کی موجود ہے اور دیوار فصیل مسجد جن دونوں کا مجموعہ سوا گز ہے کافی ہے بنا لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

جواب: فی الدر المختار فی دلیل بعض الفروع لانہ مسجد الی عنان السماء فی ردالمحتار وکذا الی تحت الثریٰ الخ (ج:۱، ص:۶۸۶) وفی الدر المختار واما المتخذ لصلاۃ جنازۃ او عید فھو مسجد فی حق جواز الاقتداء وان انفصل الصفوف رفقا بالناس لافی حق غیرہ بہ یفتی فی ردالمحتار قولہ بہ یفتی لکن قال فی البحر انہ یجوز الوطاء والبول والتخلی فیہ ولا یخفی مافیہ فان البانی لم یعدہ لذلک فینبغی ان لا یجوز وان حکمنا بکونہ غیر مسجد الخ (ص:۶۸۷، ج:۱)، وفی الدرالمختار محرمات المساجد والوضوء الافیما اعد لذلک وغرس الاشجار الالنفع کتقلیل نزفی ردالمحتار قولہ والوضوء لان مائہ مستقذر طبعًا فیجب تنزیہ المسجد عنہ کما یجب تنزیہ عن المخاط والبلغم بدائع قولہ کتقلیل نزقال فی الخلاصۃ غرس الاشجار فی المسجد لاباس بہ اذا کان فیہ نفع للمسجد بان کان المسجد ذانز والاسطرانات لا تستقر بدونھا وبدون ھذا لایجوز اھ وفی الھندیۃ عن الغرائب ان کان لنفع الناس بظلہ ولا یضیق علی الناس ولا یفرق الصفوف لاباس بہ وان کان لنفع نفسہ بورقہ اوثمرہ اویفرق الصفوف اوکان فی موضع تقع بہ المشابھۃ بین

البیعة والمسجد یکرہ اھ وبعد اسطر لان فیہ شغل ما اعد للصلوٰۃ ونحوھا وان کان المسجد واسعا او کان فی الغرس نفع بثمرتہ اھ (ج:۱،ص:۶۹۱)

اِن روایات سے معلوم ہوا کہ حوض بطریق مذکور فی السوال بنانا جائز نہیں۔

اولاً اس لئے کہ بانی نے فرش مسجد کا اس غرض کیلئے نہیں بنایا انظر الیٰ قولہ فان البانی لم یعدہ لذلک الخ

دوسرے اس لئے کہ حوض کے اندر کم وبیش غسالہ وضو کا ضرور گرتا ہے اور اس کا مسجد میں گرانا جائز نہیں۔ انظر الیٰ قولہ لان ماءہ مستقذر الخ۔

تیسرے اس لئے کہ اس سے نماز کی جگہ میں تنگی اور تفریق صفوف واقع ہوگی اور یہ جائز نہیں۔ انظر الی قولہ ولا یضیق علی الناس الخ اور تقلیل نز پر قیاس نہ کیا جاوے کیونکہ وہ ضرورت شدیدہ میں ہے اور یہاں ضرورت شدیدہ نہیں انظر الیٰ قولہ والاسطرانات لاتستقر الخ اور یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ اُس کے پاٹ دینے سے ضیق وتفریق نہ ہوگی کیونکہ اولاً تو پاٹنے تک یہ محذور لازم ہی رہے گا دوسرے پاٹنے میں بھی ہر چہار طرف نالی کے قریب تو ضرور کچھ کچھ خالی چھوڑا جاوے گا اس قدر اتصال میں خلل پڑے گا اور یہ بھی شبہ نہ کیا جاوے کہ پانی وضو کا اگر گرے گا تو پانی کی سطح پر گرے گا فرش مسجد پر نہ گرے گا۔ جواب یہ ہے کہ وہ سطح بھی مسجد ہے۔ انظر الیٰ قولہ لانہ مسجد الیٰ عنان السماء الخ فقط

(۲۶؍رجب المرجب ۱۳۳۱ھ، تتمہ ثانی، ۲،ص:۵۸) (امداد الفتاوی، جلد:۲،ص:۶۸۶)

حکم اتلاف اشیائے مسجد

سوال: اگر کوئی شخص بعض اشیائے مسجد کو مثل فرش وظروف وغیرہ وغیرہ کو بخیال غصب تلف کرے تو متولی اور نمازیان مسجد کو معاوضہ بجبر یا بلا جبر جائز ہے یا نہیں؟

جواب: فی ردالمحتار (ج:۳،ص:۵۷۴) قال الزیلعی وعلیٰ ھذا حصیر المسجد وحشیشہ اذا استغنی عنھما الیٰ قولہ ینقل الیٰ مسجد اٰخر۔ پس باوجود استغناء کے بھی خود انتفاع کسی کو جائز نہیں ہے تو احتیاج وضرورت کے وقت تو کب درست ہو جو شخص قادر ہو اُس کو عوض لینے پر جبر جائز ہے۔ واللہ اعلم۔ فقط (۲؍ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ) (امداد الفتاوی، جلد:۲،ص:۶۷۲)

اگر بعض اشرار وقف جائیداد اور املاک......الخ

سوال: اگر بعض اشرار وقف جائیداد اور املاک مسجد کو ضائع اور تلف اور غصب کریں تو مسلمان اُسکے واسطے کسی قسم کی تدبیر استخلاص اور وصول کی کریں یا اُسپر صبر کریں۔ اگر چہ نمازیان مسجد کو تکلیف ہو اور اس کی

وجہ سے نماز مسجد میں ادا نہ کر سکیں۔

جواب فی الدر المختار وکذا الرباط والبئر اذا لم ینتفع بهما فیصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض الی اقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض الیه (ج:۳،ص:۵۷۴)
یہاں بھی یہی سمجھنا چاہئے کہ جب باوجود عدم احتیاج کے کوئی اُس کو اپنے صرف میں نہیں لاسکتا تو مسجد کی حاجت ہوتے ہوئے یہ فعل کب حلال ہوگا اس میں بھی قادر کو تدبیر وسعی استخلاص کی کرنا جائز بلکہ واجب ہے اور سکوت ناجائز۔ واللہ اعلم۔ فقط (۳/ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ) (امداد الفتاوی، جلد: ۲، ص: ۶۷۲)

حکم مسجد بنا کردہ بمال حرام

سوال رنڈی کی بنوائی ہوئی مسجد، مسجد شرعی ہے یا نہیں؟

جواب چونکہ مال حرام سے انتفاع جائز نہیں تو آلۂ قربت تو بدرجۂ اولیٰ نہ ہوگی لہٰذا ایسی مسجد شرعاً مسجد نہیں۔ وهذا ظاهر۔ واللّٰہ اعلم وعلمه اتم واحکم۔ فقط
(یوم الاضحیٰ ۱۳۲۲ھ) (امداد الفتاوی، جلد: ۲، ص: ۶۷۲)

طوائف کی زمین میں مسجد بنانے کا حکم

سوال ایک مسجد طوائف (یعنی جو ناجائز فعل سے گزر اوقات کرتی ہیں) کے نام سے مشہور ہے لیکن وہ جائے کسی ہندو راجہ نے ایک طوائف مسمی چھوٹم بھاگا کو تعزیہ بنانے کے واسطے مفت دی۔ اور راجہ کو سوائے گانے بجانے کے اور کوئی تعلق ناشائستہ نہ تھا۔ یعنی طوائف اُس کو گانا بجانا سنایا کرتی تھی لہٰذا خوش ہو کر اُس کو دیا تھا بلکہ اور کھیت وغیرہ بھی دیا ہے۔ اُس جائے پر تعزیہ بھی بنتا تھا اور اب بھی بنتا ہے لیکن کسی زمانہ میں وہیں قوم نماز بھی پڑھا کرتی تھی اس سبب سے مسجد مشہور ہے کسی وقت میں وہ مسجد (یعنی امام باڑہ) پانی کے سیلاب سے بہہ گیا تھا پھر شہر کے سنی مسلمانوں نے مسجد باندھا یعنی بنایا لیکن نماز نہیں پڑھی گئی۔ اب وہ جائے طوائفوں کے قبضہ میں ہے وہ یہ چاہتی ہیں کہ کوئی مسلمان مسجد باندھے ہم وہ جائے مفت دیتے ہیں اور جو کچھ ہماری مسجد کی عمارت ہے ہم لے جاتے ہیں ایسا وہ کہتی ہیں آیا اُس پر مسجد باندھی جاوے تو نماز جائز ہوگی یا نہیں۔ اگر نہیں جائز ہے تو کوئی صورت بھی جائز ہونے کی ہے یا نہیں؟ اُمید کہ کوئی حیلہ شرعی بیان فرماویں جس سے مسجد کے جواز کی کوئی صورت ہو جاوے۔ **بینوا توجروا**

جواب چونکہ گانا بجانا بھی معصیت ہے اور معصیت کے عوض جو چیز حاصل ہو اس سے انتفاع جائز نہیں اسلئے وہ زمین مسجد کے قابل نہیں ہے البتہ اگر یہ تاویل کی جاوے کہ اُس معصیت کا عوض تو جدا ملتا تھا مثلاً

تنخواہ ملتی ہوگی مزید برآں انعام واکرام ملتا تھا اس لئے یہ زمین اُس معصیت کا عوض نہ تھا بلکہ ابتداءً ایک تبرع تھا اس طرح اُس سے انتفاع ہوسکتا ہے تو البتہ گنجائش ہے بشرطیکہ موافق فرائض کے جو اُس اوّل طوائف کا وارث اور اس زمین کا مالک ہو وہ اجازت دے دے یا یہ ثابت ہوجاوے کہ اس طوائف نے مسجد کیلئے اس کو وقف کردیا تھا اور اُس کے روبرو لوگ اُس میں نماز پڑھنے لگے تھے۔

فقط (۱۸ ربیع الثانی ۱۳۲۷ھ، تتمہ اوّل، ص ۱۲۱) (امداد الفتاوی، جلد: ۲، ص: ۶۷۳)

چندہ ہندو در مسجد یا صرف مال حرام در تعمیر مسجد

سوال: علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ مقام پاتھرڈیہ ضلع مان بھوم میں ایک مسجد نئی تیار ہوئی ہے اور اس میں ہندو لوگ چندہ دینا چاہتے ہیں۔ وہ روپیہ ہندو لوگوں کا مسجد میں لگانا درست ہے یا نہیں؟

جواب: اگر یہ احتمال نہ ہو کہ کل کو اہل اسلام پر احسان رکھیں گے اور نہ یہ احتمال ہو کہ اہل اسلام ان کے ممنون ہوکر ان کے مذہبی شعائر میں شرکت یا ان کی خاطر سے اپنے شعائر میں مداہنت کرنے لگیں گے اس شرط سے قبول کرلینا جائز ہے۔ فقط

(۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۹ھ، تتمہ خامسہ، ص: ۱۹۰) (امداد الفتاوی جلد ۳، ص ۶۶۴)

تعمیر کافر مسجد را

س: آیت مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰهِ شَاهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ کے ذیل میں امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

قال الواحدی دلت هذه الاية على ان الكفار ممنوعون من عمارة مسجد من مساجد المسلمين ولو اوصى بهالم تقبل وصية اه اور عدم جواز کی یہ وجہ لکھتے ہیں والکافر یهینه ولا یعظمه۔

اور یہ بھی لکھتے ہیں:

وایضاً اقدامه على مرمة المسجد تجرى مجرى الانعام على المسلمين ولا يجوز ان يصبر الكافر صاحب المنة على المسلمين اه.

اور تفسیر خازن میں ہے:

واختلفوا فى المراد بالعمارة على قولين احدهما ان المراد بالعمارة العمارة

المعروفة من بناء المسجد وتشييدها ومرمتها عند خرابها فيمنع من الكافر حتی لو اوصی بناء مسجد لم تقبل وصية اه۔

پس جب قول واحدی ہندوؤں کا مال تعمیر مسجد میں صرف کرنا ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ مولوی عبدالحئ صاحب لکھنوی نے اپنے مجموعۂ فتاویٰ میں اسی کو اختیار کیا ہے اور استاذ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کے مجموعہ فتاویٰ میں جلد: ۲، صفحہ: ۳۰ میں ہے۔ تعمیر ومرمت مسجد میں شیعہ وکافر کا روپیہ لگانا درست ہے اھ و ایضا فیہ جس کافر کے نزدیک مسجد بنانا عبادت کا کام ہے اس کے مسجد بنانے کو حکم مسجد کا ہوگا۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ اگر ہندو بخوشی تعمیر مسجد کیلئے چندہ دیں تو لینا درست ہے یا نہیں اگر درست ہے اور یہی قول صحیح وراجح ہے تو جواب مع ماخذ تحریر فرمائیے؟

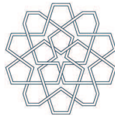
جواب یہاں دو مقام ہیں ایک تحقیق حکم کی فی نفسہ اور دوسرے تحقیق حکم کی باعتبار خارج عارض کے۔ سو تقریر اول کی یہ ہے کہ ہدایہ وغیرہ کتب فقہ کی کتاب الوصیۃ میں مصرح ہے کہ کافر کی وصیت ایسے امر کے ساتھ ہو جو اس کے اور ہمارے نزدیک قربت ہے جائز ہے پس اس بناء پر اگر کوئی ہندو اپنے اعتقاد میں اس کو قربت سمجھتا ہے تو اس قاعدہ کلیہ کے اقتضاء سے اُس کا چندہ لینا جائز ہونا چاہئے البتہ اگر اس مسئلہ کی تفسیر یہ ثابت ہو جائے کہ اُس کے مذہب کی رو سے وہ قربت ہو اور یہ بھی ثابت ہو جائے کہ اس طور پر یہ قربت نہیں ہے تب البتہ عدم جواز کا حکم دیا جاوے گا۔ والظاہر ھو الاول۔

اور مفسرین کا استنباط کرنا عدم جواز کو اس آیت سے فقہاء کے مقابلہ میں درست نہیں کیونکہ ”لکل فن رجال“ اور آیت کے یہ معنی بھی نہیں بلکہ سیاق وسباق وسبب نزول میں نظر کرنے سے مطلب آیت کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں رد ہے افتخار مشرکین کا عمارت مسجد حرام اور سقایہ حاج پر اس طور پر کہ مشرکین میں بوجہ فقدان ایمان کے کہ شرط ہے قبول عمل صالح کی اس عمل کی اہلیت شرعیہ نہیں پس یہ عمل اُن کا مقبول نہیں بلکہ کالعدم ہے اور عمل غیر مقبول پر فخر کرنا محض لغو ہے البتہ ایمان والوں سے یہ عمل مقبول ہے پس اس میں جواز اور عدم جواز سے تعرض ہی نہیں اور لِلْمُشْرِكِيْنَ لام جواز کا نہیں بلکہ لام استحقاق وصلاحیت کا ہے۔ وقد بسطانہ فی تفسری للقران۔ اور تقریر ثانی کی یہ ہے کہ بوجہ احتمال منت علی المسلمین فی امر الدین کے اس سے بچنا چاہئے۔ جیسا کہ سوال میں بھی نقل کیا ہے اور جو شیعی حد کفر تک نہ پہنچا ہو اس کا حکم کافر سا نہیں۔ فقط

(۲؍ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ) (امداد الفتاوی جلد۲، ص۶۶۵)



انتباہ



فطرت افراد سے اغماض بھی کرلیتی ہے
نہیں کرتی کبھی ملت کے گناہوں کو معاف

بابری مسجد کے مسئلہ کا ایک بہت ہی خاص اور اہم پہلو ہے جس طرح یہ مسئلہ ملّتِ اسلامیہ ہند کیلئے ملی اور قومی اعتبار سے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے اسی طرح بحیثیت مجموعی پورے ملک کیلئے بھی کچھ کم اہمیت کا حامل نہیں ہے۔

بابری مسجد کا انہدام ایک قومی جرم اور اجتماعی ظلم ہے، قدرت انفرادی فروگذاشتوں سے اغماض کرتی ہے اور بخش دے سکتی ہے لیکن اجتماعی خطاؤں کو معاف نہیں کرتی ہے۔ دن کی روشنی میں ملک کے کونے کونے سے لاکھوں لوگ جمع ہوتے ہیں۔ پوری شان وشوکت کا اظہار کرتے ہوئے فخریہ انداز میں مسجد کو توڑتے ہیں الکٹرانک میڈیا کے ذریعہ اس ظلم صریح کو پوری دنیا نے دیکھا ہمارے ملک کے ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی، بوڑھے، جوان، مرد، عورت ہر ایک کے سامنے یہ منظر آیا۔ بہت ممکن ہے کہ کچھ لوگوں نے آنسو بھی بہائے ہوں مگر ایک ارب انسانوں میں دو چار ایسے بھلے لوگ بھی نہیں نکلے جنہوں نے اس ظلم کو روکنے کی کوشش کی ہو۔ پھر دیکھئے مسجد توڑنے والوں کے ساتھ مہمانوں جیسا سلوک اختیار کیا گیا۔ ان کو بحفاظت ان کے گھروں تک پہنچانے کا انتظام ہوا۔ ان میں سے بڑی اکثریت کو ٹکٹ بھی خریدنا نہیں پڑا۔ جب یہ لوگ اپنے گھر پہنچ گئے تو ان کا گرم جوشانہ استقبال کیا گیا اور شاباشی دی گئی۔ اسی کے ساتھ سانحہ کی تحقیق کیلئے ایک کمیشن قائم کیا گیا جو آٹھ سال گزر جانے کے بعد بھی کسی نتیجہ تک نہیں پہنچا، عدالت میں یہ کیس پچاس سال سے اٹکا ہوا ہے۔

طرفہ تماشہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ یہ تسلیم کرتے ہوئے ہو رہا ہے کہ ایک جرم ہے جس کا ارتکاب ہوا ہے۔

تحقیق طلب بات صرف یہ ہے کہ جرم کس نے کیا ہے۔ انصاف کا تقاضہ تھا کہ مکان کا ڈھایا جانا جب ثابت ہے تو مکان بنا کر دے دیا جاتا یا کم از کم مالک مکان کو موقع فراہم کیا جاتا کہ وہ خود اپنا مکان بنالے۔ لیکن انصاف کا یہ ادنیٰ تقاضا بھی پورا نہیں کیا جارہا ہے۔ ملک کی یہ اخلاقی صورت حال ایسی ہے جو ملک کی تباہی اور بربادی کیلئے آسمانی اور زمینی آفات کو دعوت دینے والی ہے اور شدید اندیشہ ہے کہ پورا ملک اللہ کے عذاب میں گرفتار ہوجائے اور ہندوستانی قوم کا نام بھی ان اقوام میں آجائے جو اجتماعی غلط کاریوں کی پاداش میں برباد کردی گئیں۔

قرآن کی کئی آیات کی روشنی میں اس بات کا شدید خطرہ ہے کہ اقوام عالم میں ہندوستانی قوم ذلیل اور رسواء ہو اور خود اپنے ہاتھوں اپنی تباہی کا سامان کرے۔ قرآن نے بہت کھلے لفظوں میں اعلان کردیا ہے کہ جو عبادت گاہوں کو ویران کرتے ہیں اور ان کو منہدم کرتے ہیں وہ سب سے بڑے ظالم ہیں ان کیلئے اللہ کے پاس دردناک عذاب ہے اور اس دنیا میں ذلت ورسوائی ہے۔ اسی طرح قرآن کی بعض آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عبادتگاہوں کو منہدم کرنے والے ظالموں کو اللہ تعالیٰ دفع کرنے اور اقتدار کی کرسی سے ہٹانے کیلئے کچھ لوگوں کو اٹھاتا اور تیار کرتا ہے۔ ان کو عزت کے مقام سے ہٹا کر دوسرے لوگوں کو ان کی جگہ بٹھاتا ہے۔ اس بنیاد پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان میں عذاب کی ایک شکل یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ہمارے ملک کا نظام مسلسل عدم استحکام کا شکار ہوجائے اور اس کے نتیجہ میں فرقہ واریت، طبقہ واریت اور آپسی بے اعتمادی کا دور دورہ ہوجائے اور ملک مکمل نراج اور انتشار کے طوفان میں پھنس جائے۔

ان حالات میں ملک کے بہی خواہوں پر یہ بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ان ظالموں کو قدرت کی جانب سے آنے والے عذاب سے آگاہ کریں۔ اور انہیں اجتماعی توبہ کرنے پر آمادہ کریں اور اگر یہ ظالم اس کیلئے تیار نہ ہوں تو ان کو بزور بازو اس ظلم سے روکیں۔ ملک کی بھلائی اور خیر خواہی چاہنے والوں کا یہ فرض بنتا ہے۔

اے کاش! کوئی گروہ ایسا اٹھتا جو اس فرض کو محسوس کرتا اور اللہ کے بندوں کے ساتھ اپنی سچی بہی خواہی اور خیر خواہی کا حق ادا کرتا ملک کا سب سے بڑا وفادار اور خیر خواہ حقیقت میں وہی گروہ ہوگا جو باشندگان ملک کو اس ظلم سے روکے۔

گجرات کا زلزلہ ایک قسم کے عذاب کا نمونہ تھا تو دوسری قسم کے عذاب کا نمونہ سماجی اور سیاسی افراتفری کے وہ حالات ہیں جو تہلکہ ڈاٹ کام کی وجہ سے ملک میں پیدا ہوگئے ہیں۔ انسانیت کے سچے بہی خواہوں کیلئے ان واقعات اور حالات میں عبرت اور نصیحت کے بے شمار گوشے ہیں۔ جن کو ظاہری آنکھوں سے دیکھنے والے تو نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن دل کی آنکھیں دیکھ سکتی ہیں کہ انسانی بنیادی اقدار کس طرح پامال ہورہی ہیں۔ اگر یہ

سلسلہ روکا نہیں گیا تو نہیں معلوم قدرت کا کوڑا کس کس انداز میں ہم پر برسے گا اور ہماری تباہی کس انتہاء کو پہنچے گی۔ یہ معلوم ہے کہ قوم کو ظلم عظیم سے روکنے والوں کا استقبال نہیں کیا جائے گا لیکن کرنے کا یہی کام ہے۔ تاریخ میں انسانیت کے حقیقی بہی خواہوں کو بمشکل ہی برداشت کیا گیا ہے۔ اس لئے جو لوگ ہر طرح کی لالچ سے دور اور بے غرض ہوں گے وہی یہ کام کر سکتے ہیں۔

ملک کی ترقی، بھلائی اور نجات کا دارو مدار نہ بائیں بازو کی حکومت پر ہے نہ دائیں بازو کی حکومت پر ہے۔ اسی طرح نہ ہندوتوا کے برسر اقتدار آنے پر ہے اور نہ سیکولر گروپ کے گدی سنبھالنے پر ہے بلکہ سارا دارو مدار صرف اس پر ہے کہ ملک میں انسانی اور اخلاقی اقدار پروان چڑھیں اور امانت، دیانت اور عدل و انصاف کا بول بالا ہو...... ظلم و زیادتی کا خاتمہ ہو...... اور خدا کی زمین پر خدا کی مرضی چلے۔ اللہ کا نام لینے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو اور عبادت گاہیں محفوظ رہیں۔

